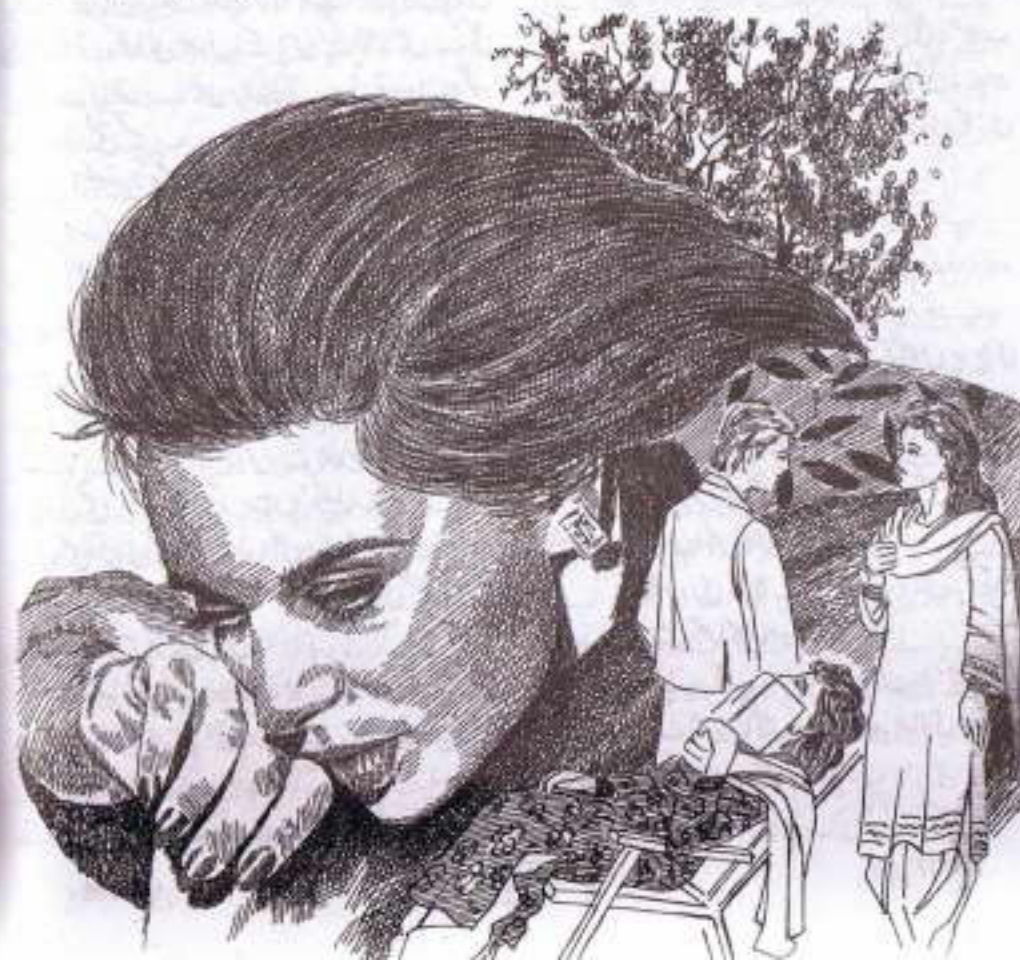


## ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”مارج کا مہینہ تھا اور غالب چدرہ تاریخ۔“ اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔  
ہاں چدرہ تاریخ ہی تو تھی۔ آج سے ٹھیک چار سال پہلے مارج کی اسی تاریخ کو وہ اس گھر سے رخصت ہوئی تھی اور آج چار سال بعد وہ اسی تاریخ کو ایک بار پھر اسی گھر میں واپس آگئی تھی اور کون جانے اب اسے ہمیشہ اسی گھر میں رہنا پڑے۔ اس نے میز سے نیچے جھانک لان کے اطراف میں کھلے پھول بتا رہے تھے کہ

موسم بہار آچکا ہے اور لان کے پتوں سچ پلاسٹک کی سفید کرسیوں پر وہ سب بیٹھے تھے دونوں بھابھیاں اور ان کی بہنیں اور پتا نہیں کون کون تھا۔ چھوٹے دونوں بچے لان میں ایک طرف فٹ پال سے کھیل رہے تھے۔  
جب اس کی شادی ہوئی تھی تو بڑے بھیا کا بونی صرف دو سال کا تھا اور چھوٹے بھیا کی بیٹی ایک سال کی اور اب..... اس نے جھک کر دیکھا دور سے وہ دونوں صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے پتا نہیں کیسے ہوں گے



بہن میں تو دونوں بہت پیارے تھے۔ بکا یک اس دن میں انہیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن وہ گھر کی سانس لے کر پیچھے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

اسے آئے بارہ تیرہ گھنٹے تو ہو چکے تھے اس نے پھر گھر پر حساب لگایا پتا نہیں اسے کیا ہو گیا تھا حالانکہ وہ اس وقت اسفند یار تھی جو منٹوں میں زبانی بڑی بڑی رقمیں جمع کر سکتی تھی اور اسفند یار بڑے فخر سے کہتے تھے۔

”میری اہلی تو جینٹیل ہے اور تم دونوں نالائق“ میں نے سمجھا کہ تم کوئی تیر مار لو گے۔“ لیکن یہ تو تب کی بات تھی جب وہ صرف سات سال کی تھی، بڑے بھیا بارہ سال کے اور چھوٹے بھیا تیرہ سال کے وہ چھوٹے بھیا سے پورے چھ سال چھوٹی تھی اور اسفند یار کی بے حد لافلی۔

آج صبح جب اس نے لاہور ایئر پورٹ سے باہر قدم رکھا تھا تو صبح کے تین بجے تھے یا شاید چار باہر مل گیا اندھیرا تھا۔ اس ٹکٹے اندھیرے میں اس نے بڑے بھیا کو دیکھنے کی کوشش کی تھی وہ کچھ زیادہ تو نہیں بدلے تھے

ویسے ہی یک اور ایک لوگ رہے تھے۔ اتنے ہی اسماٹ وہ تب بھی تھے آج سے چار سال پہلے جب وہ سولہ سال کی تھی تو وہ چوبیس سال کے تھے اور ایک دو سالہ بچے کے باپ تھے اور اب جب وہ ایک اور بچے کے باپ بن چکے تھے اب بھی اس ٹکٹے اندھیرے میں وہ اتنے ہی یک تھے لگے تھے جیسے وقت ان کے پاس سے گزرا ہی نہیں تھا۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا حساب ویسا ہی تھا

شاید... جب وہ یہاں سے گئی تھی تب بھی دونوں بھابھیاں سر شام لان میں آتے تھیں تھیں اور ان کی بہنیں بھی کبھی شابی بھابی کی دونوں بہنیں ہوتیں کبھی ایک اور روشی بھابی کی بہن تو مستقل یہاں ہی رہتی تھی پڑھائی کی غرض سے سال کے نو مہینے تو شابی بھابی کی بہنیں ادھر ہی ہوتی تھیں۔ جب روشی بھابی اپنی بہن کو ہاسٹل سے گھر لائی تھیں یہ کہہ کر کہ بہن کا گھر ہوتے ہاسٹل میں رہنے کی کیا ضرورت ہے تو شابی بھابی نے.... مارے حسد کے اپنی بہن کو بھی بلالیا تھا۔

”بونی اکیلے مجھ سے نہیں سنبھالا جاتا اگر آپ





اجازت دیں تو دوشی کو بالوں کچھ ونوں کے لیے۔ اس نے اسفند یار سے پوچھا تھا اور اسفند یار نے خوشی سے اجازت دے دی تھی۔

”ہاں! ہاں! کیوں نہیں۔“ سب کے لیے اس بڑے حویلی نما گھر میں جگہ تھی صرف اس کے لیے نہیں تھی۔ اس نے پلکوں پر آنکھیں آنسو کو انگلی کی پور پر لے کر رکھ رکھا۔

”ہاں! صرف ایلیا اسفند یار کے لیے اس گھر میں جگہ نہیں تھی۔“

☆☆☆

جب وہ ایئر پورٹ سے باہر نکلی تھی تو شاید صبح کے چار بجے تھے اور اب شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس نے پھر انگلیوں پر گنا۔ بارہ گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے اور کسی نے اس کی خبر تک نہیں لی تھی۔ کوئی اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔ صبح بڑے بھیا نے اس کا بیک کمرے میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ابھی سب سو رہے ہیں تم بھی آرام کرو، تھکی ہوئی ہوگی، اتنی لمبی فاصلت تھی۔“ ہاں ممکن تو وہ بے حد محسوس کر رہی تھی جہاز میں بھی باوجود کوشش کے اسے نیند نہیں آ سکی تھی۔

وہ چار سال بعد وطن جاری تھی پتا نہیں کیا ہوگا وہاں سب ویسے ہی ہوں گے یا بدل چکے ہوں گے۔ بولی اور بنگلی تو ذرا بڑے ہو گئے ہوں گے، زمین کیسا ہوگا، شاہی بھائی جیسا یا بھیا جیسا، بولی تو سارے کا سارا بھیا پر گیا ہے۔

چھوٹی امی کیا اب بھی اتنی ہی سرد مہر ہوں گی یا بدل گئی ہوں گی اب تو خود ان کی بیٹی بڑی ہو گئی ہوگی شاید ان کا دل نرم پڑ گیا ہو۔ وہ نو سال کی تھی جب چھوٹی امی کے ہاں انوشہ پیدا ہوئی تھی اور اب وہ گیارہ سال کی ہوگی اور بدر اس سے ایک سال ہی تو چھوٹا تھا وہ تو دس سال کا ہوگا کتنا یوت ساتھ اور وہ آرب مصطفیٰ وہ پتا نہیں ابھی تک ہمارے گھر میں رہتا ہوگا یا چلا گیا ہوگا کس قدر لڑا کا تھا چھوٹی امی کا بھائی جسے وہ اپنے ساتھ ہی لائی تھیں ایک بار شاہی بھائی نے اسے بتایا تھا کہ

چھوٹی امی نے اسی شرط پر شادی کی ہے ابی سے کہ آرب مصطفیٰ کو ساتھ ہی رہیں گی کیونکہ ان کے والد نہیں تھے اور چھوٹی امی ہی اس کے لیے سب کچھ تھیں۔ ابی جان پتا نہیں وہ اب بھی اس سے ویسی ہی محبت کرتے ہوں گے جیسے ابی جان کی زندگی میں کرتے تھے یا پھر۔۔۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی تو خود کو ماضی کی یادوں سے آزاد نہیں کر سکی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ چار سال بعد وطن آرہی ہے تو سب ہی اسے لینے آئے ہوں گے لیکن صرف بڑے بھیا کو دیکھ کر اسے از حد مایوسی ہوئی تھی۔

”کیسی ہو بے بی؟“ بڑے بھیا کے لہجے میں ہمیشہ ایسی نرمی تھی۔

”ایاز کیسا ہے؟“

”ٹھیک۔۔۔۔۔ ہے۔“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس نے تو ایک ماہ سے ایاز کو دیکھا تک نہیں تھا۔ ایک ماہ پہلے وہ اسے واشنگٹن سٹی میں نینا عادل کے قلیب میں چھوڑ کر ایسا گیا تھا کہ پھر اس سے بات تک نہیں کی تھی۔ اس کا ٹکٹ اس کی تیاری سب نینا نے ہی کی تھی۔ نینا نے بتایا تھا اسے کہ ایاز نے فون پر اس سے بات کی ہے اور ایسا کرنے کو کہا ہے۔

☆☆☆

ایک ماہ پہلے اپنے ایئر ٹکٹ کی کھڑکی کھولتے ہوئے اس نے سوچا تھا آج کتنی سردی ہے یہاں۔ وہاں ماڈل ٹاؤن کے اس بڑے سارے گھر کے ہر کمرے میں گیس کے ہیٹرز جل رہے ہوں گے اور شاید ماڈل ٹاؤن کی کشادہ سڑکیں بھر میں ڈوبی ہوں گی۔ وہ کتنی ہی دیر ماضی میں کھوئی رہی تھی یا پھر سٹنگ روم میں سب بیٹھے مونگ پھلی اور چٹنوز بھجوا رہے ہوں گے اور شاید کسی نے ایلیا اسفند یار کو یاد بھی نہ کیا ہو۔ ابی جان نے بھی نہیں کہ ان کے پاس انوشہ جو آگئی ہے اور کیا انوشہ کو پا کر ایلیا ان کے دل سے اتر گئی تھی۔

وہ ایلیا اسفند یار جسے وہ اپنی اولادوں میں سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ شاید وہ ان کے دل سے اتر ہی

جی شاید بیٹیاں ماؤں کے ہونے سے ہی باپوں کے دل میں رہتی ہیں اس کی امی جان بھی تو ایک دن ہانک چلی گئی تھیں۔ رات جب وہ اسے پیار کر کے اپنے کمرے میں گئی تھیں تو اچھی بجلی تھیں لیکن صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو چھوٹے بھیا نے روتے ہوئے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے بتایا تھا کہ امی جان کو رات کے بعد جسم کا ہارٹ ایک ہوا ہے۔

”بے بی! تم امی کے لیے دعا کرو نا!“ چھوٹے بھیا نے اسے ناشتا کروایا تھا حالانکہ اس کا ناشتا کرنے کا جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن ہر روز کی طرح اس نے ضد نہیں کی تھی اور چپ چاپ ناشتا کر لیا تھا۔ پھر اسی دوپہر کو امی جان واپس آگئی تھیں۔ خاموش بند آنکھوں کے ساتھ اس نے انہیں کتنا ہی بکا رہا تھا پھر ان کی ناک پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں کو چوم کر لیکن وہ تو بولتی ہی نہیں تھیں بڑے بھیا نے اسے گود میں بھر کر بتایا۔

”بے بی! ہماری امی جان فوت ہو گئی ہیں اور اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں۔“

”کیا میں اللہ میاں کے پاس نہیں جا سکتی بھیا؟“ ان دنوں وہ کتنی ضدی ہو گئی تھی ہر وقت روتی اور اللہ میاں کے پاس جانے کی ضد کرتی تھی۔ پھر جس روز اس کی آنکھیں ساگرہ تھیں اور بڑے بھیا نے اسے چاکلیٹ کا ٹکٹ گفٹ دیا تھا اسی روز اسفند یار چھوٹی امی کو لائے تھے اور ان کے ساتھ آرب مصطفیٰ بھی تھا بڑے بھیا کا ہم عمر ہی ہوگا اور پھر ایاز ملک کی دھاڑ اسے ماڈل ٹاؤن کے اس بڑے سارے گھر سے باہر لے آئی تھی۔

”میں نے تمہیں کافی بتانے کو کہا تھا۔“ جب کھڑکی بند کر کے وہ کافی کا کپ لے کر ایاز ملک کے پاس گئی تھی تو ایاز ملک نے گرم گرم کافی کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر دے مارا۔ گرم کافی کے چھینٹے اس کے پاؤں پر پڑے تھے۔

”ایلیا اسفند یار آتی ہیٹ پڑتا نہیں کس جرم کی پاداش میں تم مجھ پر مسلط کی گئی ہو۔“

یہ کتنی عجیب بات تھی کہ شادی کے چار سال بعد بھی وہ ایلیا اسفند یار ہی تھی ایلیا ایاز ملک نہیں۔ اس سے

ہالی وڈ میں ایک اداکارہ سے اس کی سیمپلی نے کہا

”تمہارے شو ہرنے آج نیا سوٹ پہنا ہے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ سوٹ نیا نہیں ہے۔“ اداکارہ نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

”اچھا۔۔۔۔۔“ سیمپلی نے قدرے حیرت سے کہا

”لیکن۔۔۔۔۔ بہر حال۔۔۔۔۔ آج اس کی شخصیت میں کوئی تبدیلی محسوس ہو رہی ہے۔“

”اصل میں یہ سوٹ نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ شو ہر نیا ہے۔“

اداکارہ نے بتایا۔

بھی عجیب بات یہ تھی کہ پچھلے چار سالوں سے وہ بھی یہی

ایک بات سوچ رہی تھی کہ آخر کس جرم کی پاداش میں

اسے ایاز ملک جیسے شخص کے حوالے کیا گیا تھا۔ اس نے تو

ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ تو بڑی نزل اور بڑی سیدھی

سادہ تھی۔ چھوٹی امی کے آنے پر وہ خود ہی اسفند یار

سے دور ہو گئی تھی۔ وہ بھی ان کے قریب نہیں جاتی تھی کہ

چھوٹی امی کو برا لگے گا، چھپ چھپ کر اپنے ابی جان کو

انوشہ سے لاڈ کرتے دیکھتی تھی اس نے بھی اسفند یار تو

کچا بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کو بھی بتایا تھا کہ چھوٹی

امی کبھی کبھی اسے کتنی بے دردی سے مارتی ہیں اور ڈانٹ

ڈپٹت تو روزانہ ہی کرتی ہیں پھر اسے اپنی آدمی کے

حوالے کر کے کس نامعلوم جرم کی سزا دی گئی تھی یہ سزا ہی

تو تھی کہ ان چار سالوں میں ایک بار بھی اسفند یار کا فون

نہیں آیا تھا۔ باب بیٹیوں کو رخصت کر کے یوں بھول تو

نہیں جاتے جس طرح ابی جان نے اسے بھلا دیا تھا۔

”جی چاہتا ہے چھپیں تین حرف کہہ کر اپنی زندگی

سے نکال باہر کروں لیکن میرے ڈیڈ۔۔۔۔۔“ اس نے

دائیں ہاتھ کا منکا بنا کر نیکل پر مارا تھا اور وہاں پڑی

اپریل 2007ء



کتابیں اور اخبار اٹھا کر نیچے پھینک دیے تھے۔ وہ اپنے غصے کا اظہار اس طرح ہی کرتا تھا، چیزیں پھینک کر اور توڑ کر۔

”آپ مجھے پاکستان واپس کیوں نہیں بھیج دیتے۔“ چار سالوں کی خاموشی کے بعد اس نے زبان کھولی تھی اور یہ دراصل وہ نہیں نینا عادل بول رہی تھی، نینا عادل جو ایاز ملک کی سگی تایا زاد تھی لیکن اسے ایلیا اسفندیار سے ہمدردی تھی۔

”ایلی! تم ایاز سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ تمہیں واپس پاکستان بھجوادے۔“ اس نے کئی بار کہا تھا اور آج صبح بھی وہ اس سے کہہ رہی تھی ”ایلی اس طرح تو تم مر جاؤ گی تم ایاز سے کہو یا پھر میں کہتی ہوں میرے خدا تم چار سال سے اس اذیت میں ہو، کاش میں پہلے یہاں آجاتی۔“ نینا عادلہ ورجینیا میں تھی اور کوئی سات ماہ پہلے واشنگٹن سٹی آئی تھی۔

”پاکستان واپس.....“ اس نے قہقہہ لگایا تھا۔  
 ”ہاں..... یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ چار سال سے تم میرے سر پر مسلط ہو، عذاب بنی ہوئی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں خود ڈیڈ سے کہنا ہوگا کہ تم پاکستان آنا چاہتی ہو۔“ اس نے اس کی کلائی کو دائیں ہاتھ کی گرفت میں لے کر تقرر پیا مروڑ ڈالا تھا۔

”اور تم کہو گی..... تم ڈیڈ سے کہو گی“ آج ہی۔“ اس نے اس کی کلائی چھوڑ کر اسی وقت نمبر ملایا تھا لیکن ڈیڈ سے اس کی بات نہیں ہو سکی۔۔۔۔۔ اگلی صبح جب وہ ناشتا بنا رہی تھی تو نہ جانے کس کا فون آیا تھا کہ ایاز ملک نے ناشتا بھی نہیں کیا اور فوراً ہی کہیں جانے کے لیے تیار ہو گیا، اٹیچی دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کہیں زیادہ دنوں کے لیے جا رہا ہے۔

”تم اپنے کچھ کپڑے لے لو میں ٹیکس جا رہا ہوں تمہیں نینا آپنی کے پاس چھوڑ جاؤں گا۔“ پھر اسے نینا عادل کے حوالے کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”آپنی اس کی بات ڈیڈ سے کرادیجئے گا اور اگر وہ کہیں تو پھر پاکستان کے لیے ٹکٹ وغیرہ لے کر اسے پاکستان روانہ کردیجئے گا۔“

”کیوں تم کہاں جا رہے ہو؟“  
 ”ٹیکس جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے زیادہ دن لگ جائیں اور ایلیا اپنی فیملی کے لیے اداس ہو رہی ہے۔“  
 ”اچھا.....“ نینا عادل کا اچھا بہت معنی خیز تھا۔  
 ”اور ٹیکس میں تمہیں کیا کام ہے؟“

”وہ.....“ ایاز نے سر کھجایا ”دراصل میرا فریڈ بیمار ہے وہاں اسپتال میں ایڈمٹ ہے کچھ دیر پہلے ہی فون آیا تھا۔“ نینا عادل کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر وہ انہیں لاؤنج میں چھوڑ کر اندر نینا کے بیڈروم میں چلی آئی تھی۔ نینا عادل جو ایاز ملک کے سکے تایا کی بیٹی تھی اس سے بے حد مختلف تھی۔ اس نے ایلیا کو بتایا تھا کہ ور جینیا آنے کے صرف تین سال بعد اس کا اسپینڈ ایک حادثے میں اپنی ٹانگیں کٹوا بیٹھا تھا اور اس نے چار سال اس اجنبی شہر میں تنہا اس کی خدمت کی اور پھر چار سال بعد وہ مر گیا تب بھی وہ پاکستان واپس نہیں گئی کیونکہ اس کے دو بیٹے تھے اور اسے ان کے مستقبل کے لیے جنگ کرنا تھی اب اس کا بڑا بیٹا پندرہ سال کا اور چھوٹا گیارہ سال کا تھا۔

”میں نے بہت محنت کی ہے، ایلیا اور بہت تھکی ہوں۔ کبھی سوچتی ہوں یہاں رہنے کا فیصلہ صحیح تھا کبھی سوچتی ہوں شاید غلط تھا لیکن وہاں پاکستان میں بھی کون تھا میرا، ایک چچا جان اور چچی، میرے ڈیڈ تو میری شادی سے چند ماہ پہلے ہی وفات پا گئے تھے اور ماما میرے بچپن میں..... سوچتے تو یہاں ہی رہنا تھا اپنے بچوں کے لیے میرے پاس یہ تھے لیکن تمہارے پاس تو ایسا کچھ نہیں ہے کوئی آسرا نہیں ہے اور یہاں اکیلے اس طرح جینا آسان نہیں ہے ایلی۔ پھر وہاں پاکستان میں تمہارا بھرا پُرا گھر ہے تم ایاز سے کہو تمہیں پاکستان بھیج دے۔ جب وہ تمہیں پسند نہیں کرتا، تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتا، تمہیں پل پل اذیت دیتا ہے، تمہیں اپنے بچوں کی ماں نہیں بنانا چاہتا تو پھر کیوں رہ رہی ہو تم..... میں چچا جان سے سب کہہ دیتی ہوں۔“

”نہیں پلیز۔“ اس نے نینا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے ”آپ انکل سے کچھ نہ کہیں۔“

ایاز ملک نے نینا عادل کے دانشکدن آنے کے دوسرے دن ہی اسے سمجھایا تھا ”خبردار! جو تم نے نینا سے کوئی بات کی“ اور اس نے نینا سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن نینا تو خود ہی جان گئی تھی سب کچھ۔

”کیا کیتھی آئی ہے یہاں؟“ ایک روز ایاز ملک اپنے آفس میں تھا، نینا عادل نے اس روز اپنے کام سے چھٹی کی تھی اور اپنے بچوں کو ان کے اسکول چھوڑ کر اس کے پاس آگئی تھی اور نینا کے منہ سے کیتھی کا نام سن کر وہ حیران رہ گئی تھی۔

”یہ کیسی کون ہے؟“  
 ”کیسٹھرائن ہے، آجی کی دوست..... آجی دراصل  
 اسی سے تو شادی کرنا چاہتا تھا لیکن چچا جان نے اس کی  
 شادی تم سے کردی اور حقیقتاً تم اتنی پیاری ہو کہ ایاز کیسٹھی  
 کو بھول گیا ہوگا۔ تمہارے ساتھ کیسا ہے وہ اور یہ تم  
 دونوں ابھی تک اکیلے کیوں ہو؟ چچی جان نے بطور  
 خاص مجھ سے کہا تھا کہ جب واشنگٹن جاؤں تو تم سے  
 پوچھوں، آجی اکلوتا ہے نا اور چچا جان اور چچی جان  
 دونوں کو بہت شوق ہے کہ اس کے بچے ہوں۔ پہلے تو  
 آجی بھی کہتا تھا کہ اس کے ڈھیر سارے بچے ہوں  
 گے۔“ نینا عادل ہنسی تھی لیکن وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی  
 لیکن اب وہ سولہ سال کی معصوم لڑکی تو نہیں تھی کہ نہ جان  
 سکتی کہ ایاز ملک اسے ماں بننے کا اعزاز نہیں دینا چاہتا۔  
 اس معاشرے میں رہ کر وہ اتنا تو جان ہی چکی تھی اب۔  
 ”ایلیا تم چپ کیوں ہو کیا آجی.....؟“ اور اسے  
 کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی آنکھوں میں چمکتے  
 آنسوؤں کے قطرہوں نے سب کہہ دیا۔ نینا عادل حیران  
 سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

”تم تین سال اور تین ماہ میں اسے فتح نہیں کر سکیں  
حالانکہ اللہ نے تمہیں حسن کی دولت سے دل کھول کر  
نوازا ہے۔“ پھر نینا عادل نے کتنا ہی چاہا تھا کہ وہ سب  
کچھ انکل آفتاب ملک کو بتا دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکی  
تھی حالانکہ مہینے دو مہینے بعد ان کا فون ضرور آتا تھا  
صرف اس کے لیے ایاز تو خود ہی آفس میں ان سے  
بات کر لیتا تھا۔ ان بیٹے چار سالوں میں ایک بار وہ خود



آکر مل بھی گئے تھے تین ماہ کا وہ عرصہ جب وہ اور آنٹی یہاں رہی تھیں اس کے لیے ایک خواب جیسا تھا ایاز کی نری اور محبت سے بات کرنے لگا تھا مگر ان کے جاتے ہی.....

”تم جانتی ہو ایلیا! ایاز کس کے پاس جا رہا ہے؟“ اسے رخصت کر کے جب نینا عادل اس کے سامنے آکر بیٹھی تھی تو از حد افسردہ لگ رہی تھی۔ ”نیتھی کے پاس وہ کچھ بیمار ہے اور دیکھنا ایک دن وہ اس سے شادی کر لے گا۔“ لیکن وہ یونہی بے حس بیٹھی رہی تھی۔ ”میں نے کہا ہے اس سے کہ تم اسے قبول نہیں ہو تو وہ جہیں فارغ کر دے ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے تم اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر سکتی ہو کی اچھے انسان کے ساتھ لیکن پتا ہے وہ ڈرتا ہے بچا جان سے..... چچا جان نے اپنی قسم دے رکھی ہے اسے وہ کہتا ہے اگر میں بچا جان کو راضی کر لوں تو وہ اسی وقت..... ایلیا کے دل میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا تھا لیکن وہ ساکت بیٹھی رہی تھی۔

”خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں پہلے میں تمہاری بچا جان سے بات کروادوں۔“ اور پھر نینا عادل نے ہی اس کی بات انکل آفتاب سے کروائی تھی۔ ”اچھا..... اچھا تم اداس ہو۔“ وہ ہنسے تھے ”تو آ جاؤ لیکن اس نا بھارے تو کچھ نہیں کہا؟“ ”نہیں انکل۔“ اس نے یہ مشکل اپنے آنسو پیچھے تھے پتا نہیں انکل آفتاب ہمیشہ ہی ایاز ملک سے بدگمان کیوں رہتے تھے شاید وہ جانتے تھے..... ٹھیک ایک ماہ بعد نینا عادل نے اس کے ہاتھ میں پاکستان کا ٹکٹ تھمایا تھا۔

”دو دن بعد تمہاری فلائٹ ہے میں نے آجی کو بتا دیا تھا لیکن وہ نہیں آ سکتا تمہیں کچھ خریدنا ہو تو یا اپنے اپارٹمنٹ سے سامان لانا ہو تو حذیفہ کے ساتھ چلی جاتا۔“ اس نے اپنے بڑے بیٹے کا نام لیا تھا۔

”میں آج بہت بڑی ہوں یہ کجبت پیسہ دیتے ہیں لیکن کام بھی گدھوں کی طرح لیتے ہیں۔“ لیکن اسے کیا خریدنا تھا بھلا اور پھر اس کے پاس رقم بھی کہاں تھی

اور اپنا ضروری سامان تو وہ پہلے ہی جا کر لے آئی تھی چند جوڑے کپڑے ہی تو تھے جس۔ زیور کے نام پر دو چوڑیاں ہاتھوں میں تھیں اور ایک لاکٹ سیٹ تھا جو وہ وہاں سے پہن کر آئی تھی۔

”آجی سے بات کر دو گی.....؟“ شام کو جب نینا آفس سے آئی تو اس نے پوچھا تھا۔ ”نہیں میں بھلا کیا بات کروں گی۔“ ان چار سالوں میں بھلا کہاں اس نے خود سے ایاز ملک سے بات کی تھی جواب کرتی۔

”ایلی۔“ نینا نے اس کے ہاتھ تمام کرنزی سے کہا تھا ”تم جب پاکستان جاؤ تو سب کچھ بتا دینا اپنے والدین کو اور اپنی زندگی مزید برباد مت کرنا..... آجی سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا وہ بچپن سے ہی ایسا ہے ضدی اور اکڑ سا جس بات پراڑ جائے اڑ جاتا ہے ورنہ تم میں کیا نہیں ہے اور نہیں تو اپنی امی کو تو بتا سکتی ہو نا سب کچھ.....“ اسے خاموش دیکھ کر نینا عادل نے کہا تھا۔

”میری امی میری اسٹیپ مدر ہیں۔“ اس نے پہلی بار نینا عادل کو بتایا۔

”اوہ تب ہی تو.....“ نینا عادل نے ہونٹ کھیرے تھے۔ ”اتنی کم عمری میں تمہیں اس بندھن میں باندھ دیا گیا سولہ سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے شادی کی۔“

”اگلے روز میں اپنے اسکول سے زلزل کا رڈ لینے گئی تھی اپنی فرینڈ کے ساتھ میرے بہت اچھے نمبر تھے اور بڑے۔ بھیا نے کہا تھا وہ مجھے کئیرو ڈیں داخلہ دلوادیں گے لیکن جب واپس آئی تو بوا خیرن نے کہا ”مجھے ابی جان ڈرائنگ روم میں بلا رہے ہیں۔“ اس روز اس نے پہلی بار نینا عادل کو اپنی شادی کا احوال بتایا تھا۔ نینا دھیان سے سن رہی تھی۔

”اور جب میں ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں میں نے آفتاب انکل کو بھی ابی جان کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ اس سے پہلے میں نے اپنے ہوش میں صرف دو بار انہیں دیکھا تھا ایک بار بڑے بھیا اور ایک بار چھوٹے بھیا کی شادی پر لیکن انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میری امی کی ڈیڑھ پر وہ ہمارے گھر میں تین چار دن رہے تھے اپنی

مسنز کے ساتھ لیکن مجھے کچھ پانہیں آیا تھا وہ کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے میں سلام کر کے کچھ دیریوں ہی کھڑی رہی میرے ہاتھ میں میرا زلزل کا رڈ تھا۔

”ادھر بیٹھو میرے پاس آ کر۔“ میں جھجکتی ہوئی بیٹھ گئی تھی انہوں نے مجھ سے میرا زلزل کا رڈ لے کر دیکھا تھا ”مجھے مبارکباد دی اور پانچ سو روپے پھر ابی جان کی طرف دیکھا تھا۔

”بہتر تو تھا اسفند کہ تم اسے کم از کم انٹر کرنے دیتے۔“

”نہیں۔“ ابی جان کے چہرے پر سختی تھی۔

”اگر تمہیں انکار ہے تو پھر میں کل ہی اس کا نکاح پڑھا دیتا ہوں زلیبا خان سے۔“

”نہیں، نہیں میں نے انکار کب کیا ہے تم تیاری کرو آج جیرے نا آج سے ٹھیک چھ دن بعد میں اتوار کو برات لے کر آ رہا ہوں بلکہ تیاری بھی کیا کرنا ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔“

”تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے نا آفتاب بعد میں نہ کہنا دوست نے دھوکا دیا میں نے تمہیں ساری بات بتا دی ہے اور زلیبا کو انکار نہیں وہ تمہاری بھابی کی بات مان لیں سکتا۔“ میں ہونٹ کی نی بیٹھی تھی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا تب آفتاب انکل نے ابی جان سے کہا تھا بلکہ درخواست کی تھی۔

”اسفند کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اپنی بیٹی سے کچھ دیر تنہائی میں بات کر لوں..... ابی جان اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔

”ہاں ہاں تم بات کرو میں تمہاری بھابی کو بتا دوں کہیں وہ چلی ہی نہ گئی ہو آج اسے پنڈی جانا تھا“ تب آفتاب انکل مجھ سے میری دلچسپیاں پوچھتے رہے اور باتوں باتوں میں انہوں نے پوچھا تھا۔

”تمہیں اپنے گھر میں سب سے اچھا کون لگتا ہے؟“

”بڑے بھیا۔“ میں نے فوراً کہا تھا ”اور بوٹی اور بگی بھی اچھے لگتے ہیں۔“

”اور وہ آرب مصطفیٰ وہ کیسا ہے؟“

”بہت لڑاکا ہے بھیا سے بچپن میں بہت لڑتا تھا“ اس لیے مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا ویسے ہے بھی سڑیل سا اس کی چھوٹے بھیا بڑے بھیا کسی سے بھی دوستی نہیں ہے سب سے جلتا ہے وہ اور چھوٹی امی اسے کسی سے بات بھی نہیں کرنے دیتی حالانکہ بڑے بھیا نے تو چاہا تھا کہ دوستی کر لیں اس سے لیکن انکل اس نے بڑے بھیا کو بالکل لفٹ نہیں کروائی اور مجھے تو زہر لگتا ہے وہ۔۔۔ اس نے شاید اللہ کو بھی منع کر دیا ہے وہ بھی مجھ سے بات نہیں کرتی۔“ تب آفتاب انکل نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”آج سے میں نے تمہیں اپنی بیٹی بتا لیا ہے اور تمہیں اپنے بیٹے کی دہن بنا کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔“ میری چٹکیں جھک گئی تھیں مجھے آفتاب انکل سے بے تحاشا شرم آئی تھی اور وہ ہنس دیے۔ میں صرف سولہ سال کی تھی مجھے پڑھنے کا شوق تھا شادی سے متعلق میرے ذہن میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ ایک خوبصورت مرد کا ساتھ اچھے اچھے کپڑے گہنے اور سیر و تفریح۔ میں نے شابی بھابی کو بڑے بھیا کی سنگت میں بہت خوش دیکھا تھا۔ شابی بھابی میرے ابی کی کزن کی بیٹی تھیں بڑے بھیا ایک بار جھگ گئے تو پھر ان کے لیوں پر ہر وقت شابی بھابی کا ہی نام رہنے لگا تھا۔ ان کی والدہ کو وہ خالہ جان کہتے تھے۔

”خالہ جان کی بیٹی شہاب بہت اچھی ہے بہت خوبصورت بہت سلیقہ مند اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔“

”یہ شہاب کیا نام ہوا؟“ چھوٹے بھیا نے مذاق اڑایا تھا۔ ”تصور میں قدرت اللہ شہاب آ جاتے ہیں۔“ لیکن بڑے بھیا کو تو جانے خالہ جان نے کیا گھول کر پلایا تھا کہ انہوں نے شادی کی رٹ لگا دی اور ابھی پڑھ ہی رہے تھے کہ شادی کر لی۔ خالہ جان نے ابی جان کو بھی ہاتھ میں کر لیا تھا کہ جو وہ فوراً ہی رضامند ہو گئے اور چھوٹے بھیا کیوں پیچھے رہتے بڑے بھیا کی شادی کے دو سال بعد وہ بھی اپنی ایک کلاس فیلو پر مرنے اور یوں روشی بھابی بھی اس گھر میں آ گئیں چھوٹی امی نے غیرت



دلالتی۔

”لو بہن ابھی بیٹھی ہے اور بھائی شادی رچا بیٹھے۔“

”بہن کا جب وقت آئے گا تو اس کی شادی ہو جائے گی آپ فکر نہ کریں۔“ چھوٹے بھیا منہ پھٹ تھے۔

”چھوٹے بھیا کی جب شادی ہوئی تو میں آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی میں تو خوش تھی مینا عادل کہ میری شادی ہو رہی ہے۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ یہ ایک سزا ہے جو مجھے بھگتنی ہے۔ چھوٹی امی راو پلنڈی جا چکی تھیں ابی جان نے آکر آفتاب انکل کو بتایا۔

”دراصل ان کی رشتے کی چچی کا انتقال ہو گیا ہے اور انہیں جانا تھا لیکن خیر تین چار دن تک آجائیں گی تم اتوار کو برات لا سکتے ہو۔“ انہوں نے مجھے جانے کا اشارہ کیا اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

”ہائے اتنی جلدی۔“ ابی جان نے آفتاب انکل کے جانے کے بعد سب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تھا بڑے بھیا نے احتجاج کیا۔

”ایلی ابھی بہت چھوٹی ہے ابی جان۔“

”کوئی چھوٹی نہیں اس سے پہلے کہ کوئی چاند چڑھائے میں اسے عزت و آبرو کے ساتھ رخصت کرنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے دونوں بھابیوں سے کہا تھا کہ وہ ان چند دنوں میں کچھ کپڑوں کی شاپنگ کر لیں میرے لیے۔

پھر شابی بھابی اور روشی بھابی نے سات آٹھ ریڈی میڈ جوڑے خرید لیے۔ ابی جان شابی بھابی کو ساتھ لے کر ایک سیٹ اور چوڑیاں بھی لے آئے تھے۔ مجھے اپنا ویڈنگ ڈریس کچھ خاص پسند تو نہیں آیا تھا لیکن خاموش رہی۔ ابی جان نے ایک ہوٹل میں برات کے استقبال کا انتظام بھی کر لیا تھا۔

”برات کے ساتھ زیادہ لوگ نہیں ہوں گے صرف پچاس ساٹھ۔“ انہوں نے بڑے بھیا کو بتایا تھا۔

جس روز چھوٹی امی راو پلنڈی سے آئی تھیں اس

روز روشی بھابی لاؤنج میں ڈھولکی رکھے گانے گارہی تھیں اور میں پاس ہی پیلا دوپٹا اوڑھے بیٹھی تھی۔ روشی بھابی نے چھوٹے بھیا سے کہہ کہہ کر ڈھولکی منگوائی تھی کہ کچھ تو پتا چلے اس گھر میں شادی ہو رہی ہے۔ چھوٹی امی انوشہ کا ہاتھ تھا مے لاؤنج میں حیران سی کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں اور چھوٹی بھابی انہیں دیکھ کر بھی انجان بنی ہوئی تھیں۔

”یہ ڈھولکی کس خوشی میں بجائی جا رہی ہے؟“

”شادی ہو رہی ہے!“

”کس کی کیا اپنے میاں کی کروا رہی ہو؟“

”میرا میاں بے چارہ ایک ہی کر کے رچ گیا ہے۔“ چھوٹی بھابی بہت موڈ میں تھیں چھوٹے بھیا نے کل ہی انہیں کنگن بنوا کر دیے تھے۔

”ایلی کی شادی ہے۔“ شابی بھابی نے بالآخر ان کا تجسس دور کیا تھا۔

”ایلی کی..... لیکن ایسی کیا جلدی تھی اسفند کو کہا تو

تھا میں نے زری کی بیوی کا چالیسواں ہو جائے تو رخصتی کریں گے..... لوگ کیا کہیں گے بیوی کا چالیسواں بھی نہیں ہوا اور دوسری لے آیا۔“

”لیکن چھوٹی امی ایلی کی شادی آپ کے خالہ زاد

بھائی زریاب خان سے نہیں بلکہ آفتاب انکل کے بیٹے سے ہو رہی ہے۔“ ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”اور وہ جو زریاب خان کو میں نے زبان دی تھی۔“

”زریاب خان کو زبان دیتے آپ کو انوشہ کا خیال نہیں آیا تھا ایلی بھی انوشہ جیسی ہی ہے کیا انوشہ کی شادی آپ ساٹھ سالہ بڑھے سے کر سکتی ہیں۔“ بڑے بھیا کم بولتے تھے لیکن جب بولتے تھے تو چھوٹی امی بول نہیں پاتی تھیں ان کے سامنے۔

”اتنا ظلم نہ کیجئے چھوٹی امی کہ آسمان بھی رو

پڑے۔“ میں تو ساکت بیٹھی تھی..... اگر آفتاب انکل مجھے

ابی جان سے نہ مانگ لیتے تو..... زریاب خان کے تصور

سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ایک بار دیکھا تھا

میں نے اسے جب وہ چھوٹی امی سے ملنے آیا تھا۔



امی اس وقت تو چپ کر گئی تھیں لیکن بعد میں ابی جان سے خوب لڑی تھیں لیکن ابی جان نے ان کی لڑائی کی پروا نہیں کی تھی اور میں ایاز ملک کی دلہن بن کر ساہیوال آ گئی تھی۔ ساہیوال میں آفتاب انکل کی حویلی اتنی بڑی تھی اتنے سارے ملازم تھے انکل اور انٹی بہت چاہتے تھے مجھے لیکن ایاز ملک بہت اکھڑا اکھڑا سا رہتا تھا کچھ ناراض اور خفا خفا سا شادی کے صرف پندرہ دن بعد وہ یہاں آ گیا تھا اور میں ادھر حویلی میں ہی رہی۔ پھر چار ماہ بعد اس نے مجھے یہاں بلا لیا اور یہاں آتے ہی پہلی رات اس نے مجھ سے کہہ دیا کہ میں اس پر مسلط کی گئی ہوں اور وہ اپنے ڈیڈ کی وجہ سے یہ گلے پڑا ڈھول بجانے پر مجبور ہے ورنہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔“ نینا عادل نے بہت خاموشی سے اس کی ساری بات سنی تھی اور تاسف سے اسے دیکھا۔

”یہ سب تمہاری اسٹیپ مدر کی سازش لگتی ہے انہوں نے یقیناً تمہارے فادر کو تمہارے خلاف ورغلا یا ہوگا اور وہ تمہاری شادی زریاب خان سے کرنے لگے ہوں گے اور بالکل فلمی انداز میں چچا جان نے انٹری دے کر تمہیں اس خونخوار شخص سے بچالیا اور اپنے شہزادے کے لیے مانگ لیا۔ یہ الگ بات کہ یہ شہزادہ تمہارے لیے ولن ثابت ہو رہا ہے۔“ نینا عادل ہنسی تھی لیکن وہ ہنس بھی نہیں سکی تھی۔

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا نینا عادل کہ میں یہاں ہی رہ جاؤں کہیں جاب کر لوں ایاز ملک سے دور کہیں.....؟“ ”نہیں“ میری جان اکیلی لڑکی ہر جگہ غیر محفوظ ہے میں تمہیں کیا بتاؤں میں نے کیا کیا نہیں سہا وہاں ور جینیا میں سیٹل تھی میں تنخواہ بھی یہاں سے زیادہ تھی لیکن پھر میرا باس میرے پیچھے پڑ گیا مجھ دو بچوں کی ماں کے پیچھے یہاں بڑی عجب دنیا ہے ایلیا وہاں پاکستان میں تمہارے لیے تحفظ ہے وہاں تمہارے بھائی ہیں سگے بھائی ایاز میرا سگا بھائی نہیں ہے لیکن پھر بھی بھائی ہی سمجھا ہے اسے میں نے اسے بتایا اپنے باس کے متعلق اس نے کہا میں فوراً واشنگٹن آ جاؤں پھر اس نے میری جاب اور اس اپارٹمنٹ کا انتظام کیا تمہارے ساتھ وہ

جیسا بھی ہے میرا تو بھائی ہے احترام کرتا ہے میرا اور مجھ سے بھائیوں جیسی ہی محبت کرتا ہے۔ ہم نے ایک ہی حویلی میں بچپن کے دن گزارے ہیں اکٹھے تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم پاکستان چلی جاؤ اپنوں میں۔ آ جی میری ہر بات مانتا ہے لیکن تمہارے معاملے میں میری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا.....“

☆☆☆

اس کی فلائٹ لاہور کی تھی آفتاب انکل نے لاہور فون کر کے فلائٹ نمبر وغیرہ بتا دیا تھا۔

”کچھ دن اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہ لو جب ساہیوال آنا ہو فون کر دینا لے جاؤں گا۔“ انہوں نے کہا تھا۔

وہ بڑے بھیا کے ساتھ ایئر پورٹ سے گھر آ گئی تھی اور بڑے بھیا نے اسے کمرے میں چھوڑ دیا تھا۔ فریٹ فلور کا یہ وہی کمرہ تھا جس میں شادی سے پہلے وہ رہتی تھی لیکن اب کس قدر نا مانوس لگ رہا تھا۔ کمرے میں دروازے تھے ایک باہر لاؤنج میں کھلتا تھا اور دوسرا ٹیرس پر..... اس وقت وہ ٹیرس میں رکھی کرسی پر بیٹھی تھی نیچے لان سے بچوں کی ہنسی اور شور کی آوازیں آرہی تھیں وہ اٹھی اور واپس کمرے میں آ گئی لائٹ جلا کر کمرے کا جائزہ لیا ایک بیڈ ایک طرف ٹویٹر صوفہ ایک رائٹنگ ٹیبل اور چیئر نہ ٹیبل پر کچھ کتابیں تھیں نہ ہی وارڈروب میں کسی کے کپڑے لٹک رہے تھے۔

”پتا نہیں میرے بعد اس کمرے میں کون رہ رہا تھا۔“ اس نے بیگ کھول کر اپنے کپڑے وارڈروب میں لٹکائے یکا یک اس کے پیٹ میں اٹھن ہوئی بھوک ہاں اسے بھوک لگ رہی تھی جہاز میں بھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا بس چائے اور ایک سلاکس لیا تھا اور کیا کسی کو خیال نہیں کہ اسے اس گھر میں آئے بارہ گھنٹے ہو گئے ہیں ٹھیک ہے وہ تھکی ہوئی تھی اور سو گئی تھی لیکن اب اسے جاگے ہوئے بھی چار پانچ گھنٹے ہو گئے تھے۔

”شاید وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں سو رہی ہوں مجھے خود ہی باہر جانا چاہیے آخر یہ میرا گھر ہے میرے باپ کا گھر۔“ اس گھر سے ان چار سالوں میں کسی نے اسے فون



نہیں کیا تھا سوائے بڑے بھیا کے اور بڑے بھیا نے بھی کتنی بار فون کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ چار یا چھ بار۔ کسی نہ کسی عید پر اپنے دوسرے بچے کی پیدائش پر اور بس۔ اس نے ایک جوڑا نکالا اور واش روم میں مٹس لٹی یہ جوڑا اسے نینا عادل نے دیا تھا آتے ہوئے بلکہ اس کے علاوہ بھی دو تین جوڑے دیے تھے اس کے کپڑے دیکھ کر انہیں تاسف ہوا تھا۔ وہی پاکستان سے لائے ہوئے ریشمی جوڑے چند شرف اور ایک دو جینز۔

”یہ اتنی لمبی لمبی قیصوں کا تو اب فیشن ہی نہیں رہا ایلا جان۔ اوفو..... آجی نے تمہیں کس جرم کی سزا دی ہے۔“ انہیں ایاز پر بہت غصہ تھا۔

”ایک دفعہ ٹیکسا سے آئے تو میں کان کھینچوں گی اس کے۔“ اور اب کیا فائدہ اب تو وہ جاری ہی تھی۔

☆☆☆

شاہر لے کر سیلے بال یونہی پشت پر کھلے چھوڑ کر وہ کمرے سے نکلی لاؤنج میں کوئی نہیں تھا حالانکہ جب وہ پاکستان سے گئی تھی تو بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کے بیڈرومزا پر ہی تھے شاید سب نیچے ہیں کمروں کے بند دروازے دیکھ کر وہ ہولے ہولے سیڑھیاں اترنے لگی۔ یہ سیڑھیاں گراؤنڈ فلور کے ٹی وی لاؤنج میں جاتی تھیں نیچے سے ٹی وی کی آواز آرہی تھی شاید کوئی نیچے بیٹھا ہے شاید ابی جان یا پھر کوئی اور بھابی یا تو باہر لان میں تھیں وہ گھبرائی گھبرائی سی نیچے اتر رہی تھی سامنے ہی صوفے پر چھوٹی امی بیٹھی تھیں اور ان کے ساتھ شاید انوش بھی وہ بھی تو گیارہ سال کی لیکن اپنی عمر سے بڑی لگ رہی تھی جب وہ اس کمرے سے گئی تھی تو وہ سات سال کی تھی۔

”السلام علیکم چھوٹی امی!“ جب اس نے بالکل ان کے سامنے آکر انہیں سلام کیا تو انہوں نے نخوت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”آگئی ہو تم کیسی ہو؟“

”جی ٹھیک ہوں۔“ چھوٹی امی کے لہجے میں وہی چار سال پہلے والی سرد مہری تھی لگتا تھا جیسے وہ چار سال بعد نہیں آئی بلکہ ابھی ابھی نہیں گئی ہو اور واپس آگئی ہو اس نے انوش کی طرف دیکھا اس کا جی چاہا وہ اسے گلے

سے لگائے یہ لڑکی اس کی بہن تھی..... بہن۔

”انوش۔“ اس نے ہاتھ آگے بڑھائے تھے لیکن انوش نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھیں ہاتھ کی دو انگلیاں آگے کر دی تھیں کیونکہ اس کے دائیں ہاتھ میں ریوٹ تھا۔

”ہائے۔“ وہ چوہم چارہ ہی تھی اور وہ جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

”اور سب لوگ کہاں ہیں؟“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”کہاں ہوتا ہے تمہارے بھائی تو اس وقت اپنے آفس میں ہوں گے آتے ہی ہوں گے اور تمہارے ابی کچھ دیر پہلے آئے ہیں آرام کر رہے ہیں۔“ اس کے دل کو دھچکا سا لگا گیا ابی جان کا جی نہیں چاہا ہوگا کہ وہ فوراً ہی مجھ سے ملیں وہ کتنا ترپ رہی تھی انہیں دیکھنے کو۔

”اور تمہاری بھابھیاں مع بچکان کے باہر لان میں بیٹھی ہوں گی اور چغلیاں کھا رہی ہوں گی۔“ اس نے دیکھا انوش نے پراسا منہ بنایا تھا۔ انوش نے جینز پر پی شرٹ پہن رکھی تھی اور بال کٹے ہوئے تھے چھوٹے چھوٹے سے گویا ان چار سالوں میں پاکستان میں لوگ کافی ایڈوانس ہو گئے ہیں اور ابی جان بھی۔ ورنہ وہ تو اسکول چادر اوڑھ کر جاتی تھی تب ہی بچن کے دروازے سے خیرن ہوا آتی دکھائی دیں۔ وہ بیٹا باندہ ان کی طرف بڑھی تھی۔

”میری بچی۔“ خیرن ہوانے اسے گلے سے لگا کر اس کی پیشانی پر چٹ چٹ کئی بوسے دے ڈالے تھے۔ اسے لگا تھا پہلی بار جیسے وہ اپنوں میں آئی ہے اندر دل جیسے کھلنے لگا تھا۔

”کیسی ہیں آپ خیرن ہوا.....؟“ ان سے الگ ہوئی تو آواز بھاری تھی اور آنکھیں نم تھیں۔

”بہت سوئیں بیٹا۔“ خیرن ہوا ابھی میلے دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔

”نہیں ہوا میں تو بہت دیر سے جاگ رہی ہوں۔“

”لوٹی لی تو کہہ رہی تھیں ابھی انوش گئی تھی تمہارے کمرے میں سو رہی تھیں تم۔“

”میں خیرن ہوا.....؟“ انوش نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

”میں تو ابھی کرا۔“ ٹی سینٹر سے آئی ہوں اور میں تو نہیں گئی ایلیا کے کمرے میں۔“

”بڑی بہن ہے تمہاری باجی کہو۔“ چھوٹی امی نے خواخوہ اسے ڈانٹا۔

”لیکن مجھے یاد ہے اس روز آپ کہہ رہی تھیں کہ ایلیا آرہی ہے کوئی ضرورت نہیں اسے باجی باجی کہہ کر اس کے پیچھے بھاگنے کی۔“ خیرن ہوا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی لیکن فوراً ہی انہوں نے منہ پھیر کر ایلیا سے کہا۔

”ابلی پنا تمہیں تو بھوک لگی ہوگی میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔“

”نہیں ہوا کھانا اب رات میں ہی کھاؤں گی بس چائے کے ساتھ کچھ دے دیجئے۔“

”پیت میں تو چوہے دو رہے ہوں گے۔“ انوش نے اب ریوٹ نیچے رکھ دیا تھا اور دھچی سے اسے دیکھ رہی تھی کچھ دیر پہلے ایلیا کا دل جو اس کی طرف سے برا ہوا تھا اب صاف ہو گیا تھا۔

”ہاں۔“ وہ خواخوہ ہوئی۔

”لیکن چائے کے ساتھ کچھ کھالوں گی تو بھوک کو سہارا مل جائے گا آپ سب چائے پی چکے؟“

”میرا خیال ہے چائے پی جا چکی ہے۔“ انوش نے جواب دیا۔ کیونکہ جب میں آئی تو یو اینیل سے چائے کے برتن اٹھا رہی تھیں۔

”نوشی تم اٹھو اب یہاں سے تمہارا ٹیوٹر آنے والا ہوگا۔“ چھوٹی امی کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔

وہ چار سال بعد آئی تھی پھر بھی چھوٹی امی کی پیشانی پر اسے دیکھ کر پہلے کی طرح ہی شکنیں پڑ گئی تھیں۔ جب وہ ذرا سمجھدار ہوئی تھی تو اس نے ان کے سامنے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کا موڈ اسے دیکھ کر خراب ہو جاتا تھا آج بھی ان کا موڈ بہت خراب لگ رہا تھا۔

”آج میرے ٹیوٹر کے بھائی کی شادی ہے انہوں نے نہیں آنا۔“ انوش نے پھر ریوٹ اٹھا لیا تھا اور اب مختلف چینل بدل بدل کر دیکھ رہی تھی۔ اس کا پورا دھیان

ٹی وی کی طرف تھا اور وہ قریب بیٹھی ایلیا سے بے خبر ہو گئی تھی حالانکہ ایلیا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے تو کیا وہ اٹھ کر باہر لان میں جائے اس نے سوچا لیکن پیٹ میں پھر اٹھن ہوئی نہیں پہلے چائے پی لوں چھوٹی امی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں تو وہ کچن میں ہی آگئی ہوا کباب حل رہی تھیں سموسوں کا پکٹ نکال کر رکھا ہوا تھا۔

”بس ہوا صرف کباب ہی رہنے دیں اور چائے بنا دیں۔“ اس نے مڑ کر فریج کو دیکھا وہ اپنی پرانی جگہ پر ہی تھا۔ فریج سے اس نے ڈبل ردلی نکالی اور ساہ سلاش میں گرم گرم کباب رکھا۔

”اے لوشیا کچپ تو لے لو۔“

”نہیں ہوا بس چائے بنا دیں۔“ اس نے وہاں ہی کھڑے کھڑے دو کباب اور دو سلاکس کھالے اور کاؤنٹر سے ٹک لگا کر کھڑی چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

”ہوا آپ کچن میں اکیلی ہیں کیا مونا (منیر) چلا گیا۔“

”اے کہاں جانا تھا موا چھٹی پر گیا ہے چار دن کی۔“

”اچھا وہ ابھی تک یہاں ہی ہے تب تو کہتا تھا کسی فوجی کے گھر جائے گا ملک بے گامی آری والے کا۔“

”بس پس مارتا تھا کہاں جانا تھا اسے اچھی بھلی نوکری کون چھوڑتا ہے اور پھر اتنا سا تھا تو اس کمر میں آیا تھا۔“ منیر کچن میں ہوا کے ساتھ ان کی مدد کرتا تھا کھانا لگا دیا چائے دم کر دی۔ نیل سمیٹ دی وغیرہ وغیرہ۔ چھوٹے بھیا اسے مونا کہہ کر بلاتے تو وہ بہت چڑچڑاتا تھا۔

”چھوٹے بھیا بس کہہ رہا ہوں مونا تو لڑکیوں کا نام ہوتا ہے ہمیں آئندہ مت کہیے گا۔“ لیکن چھوٹے بھیا کہتے۔

”وہ بھی تو مونا ہے نا وہی جو صبح صبح سلام کرنے آتی ہے اور تالی بجا کر پیسے مانگتی ہے۔“ وہ مزید چڑتا لیکن اس کے چڑنے کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا سب ہی اسے



مونہا کہنے لگے تھے اب۔

”اور صفائی کرنے کو آتا ہے وہی ستاراں یا کوئی اور.....؟“

”لو ستاراں کے میاں نے تو دوسری شادی کر لی تھی اور اسے گاؤں واپس بھیج دیا تھا۔“ بوانے بتایا ”اب تو ایک لڑکی آتی ہے جھیمبا باہر کی صفائی کے لیے لان اور گیراج وہی کرتی ہے اندر اسی جھیمبا کی بھر جاتی آتی ہے ریاں پکڑے بھی وہی دھوتی ہے۔“

”اور..... بوا کبھی مجھے بھی کسی نے یاد کیا؟“ اس نے خالی پیالی کاؤنٹر پر رکھی۔

”لو کب یاد نہیں کیا میں نے ارے بیٹا تمہیں چلنے تک تو میں نے ہی سنبھالا تمہاری اماں تو بیمار پڑ گئی تھیں یک دم دل کی بیماری تو اسے تب ہی لگ گئی تھی۔“ بوا دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگیں۔

”بوا کسی اور نے.....؟“ اس نے دھیمے سے پوچھا۔

”لو اور کس نے یاد کرنا ہے بچی اپنی ماں نہ رہے تو باپ بھی پرایا ہو جاتا ہے ہر کوئی تیری ماں جیسا تو نہیں ہوتا کہ.....“ بوا کچھ کہتے کہتے چپ کر گئیں۔

”اللہ بخشے تیری ماں بڑی ہمدرد تھی بہت ہی نرم دل ہر ایک کی عزت کرتی تھی ہم نوکروں کا بھی احترام کرتی تھی اللہ جنت میں جگہ دے۔“

”امی.....“ ایلین نے ماں کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ سات سال کی عمر میں بچہ اچھا خاصا سمجھدار ہوتا ہے اس کی امی بہت خوبصورت تھیں لائے لائے بال بڑی بڑی آنکھیں اونچا لمبا قد وہ کھانے بھی بہت اچھے بناتی تھیں اس کے ذہن میں تھا لیکن اس کے علاوہ اسے امی کی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ آنکھیں بند کرتی تو آنکھوں کے سامنے جوشیبہ آتی تھی وہ سفید لباس میں سخی سنوری امی کی آتی تھی اس روز وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں شاید کسی تقریب میں گئی تھیں۔

”امی آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں روز ایسے ہی تیار ہوا کریں۔“ اور وہ مسکرا دی تھیں پھر جو شیبہ ذہن میں آتی تھی وہ آنکھیں موندے چارپائی پر

بیٹے اور سفید کفن میں لپٹی اور بس.....

”بڑے بھیا تو یاد کرتے ہوں گے مجھے اور چھوٹے بھیا؟“

”کون جانے بیٹا اور بھائی تو یوں بھی شادی کے بعد پرانے ہو جاتے ہیں یہ کون سے.....“ بوا خالی کپ سے کرسنک کی طرف بڑھ گئیں۔

”کچھ خاص کھانے کو دل چاہے تو بتا دو چندا میں بنالوں گی وہاں تو وہی موٹی ڈبل روٹی ہی کھاتی ہوگی۔“ ”نہیں بوا۔“ وہ یکدم اداس ہو گئی تھی۔

”جو ہوگا کھالوں گی اور وہاں تو گھر میں سب پکا لیتی تھی میں پاکستانی کھانے وغیرہ۔“

”ہائے جب تمہارے ابا نے تمہارا اچانک بیاہ کر دیا تو تمہیں تو چائے تک بنانا نہیں آتی تھی پھر کس سے سیکھا؟“

”وقت سب سکھا دیتا ہے بوا۔“ اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ تھی۔ اسے کب آتا تھا پکانا کچھ جب ایاز چلا گیا تھا واپس اور وہ حویلی میں تھی تو چچی جان نے سکھایا تھا ایسے۔ سالن تو وہ بنا ہی لیتی تھی لیکن روٹی صحیح نہیں بیل سکتی تھی۔

”وہاں ملازم نہیں ملتے اور پھر مل بھی جائیں تو بھلا ہمارے کھانے پکا سکتے ہیں۔“ انہوں نے اسے بتایا تھا۔ ”ایاز بھی خود پکاتا ہے وہاں پاکستانی ریسٹورانٹ ہیں لیکن روز روز باہر کا کہاں کھایا جاتا ہے نینا بھی دور ہے وہاں ہوتی قریب تو مجھے فکر نہیں ہوتی سب سکھا دیتی تمہیں۔“ انہوں نے تھوڑے وقت میں سب کچھ سکھانے کی کوشش کی تھی اسی لیے کئی چیزیں گڈمڈ ہو گئی تھیں کئی بار نمک زیادہ ہو جاتا کھانا صحیح نہ بنتا تو ایاز برتن الٹ دیتا۔

”کھانا تک بنانا تو آتا نہیں تمہیں پھر کیا خوبی ہے اور تعلیم تمہاری صرف میٹرک آخر تمہارے گھر والوں کو کیا جلدی پڑی تھی۔“ وہ کیا بتاتی اسے تو خود معلوم نہیں تھا کہ کیا جلدی تھی ہی نہیں وہ تو چھوٹی امی کے ڈر سے کبھی کچن کی طرف گئی نا ہی نہیں تھی حالانکہ میٹرک کے امتحان کے بعد جب وہ فافارغ تھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ نئی نئی



”ارے ہاں بٹیا۔“ بواصافی سے ہاتھ پونچھ کر اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھیں اور سرگوشی کی تھی۔  
 ”چار سال تو ہو گئے تمہارے بیاہ کو لیکن ابھی تک خالی خولی جھولی لیے پھرتی ہو کسی ڈاکٹر کو دکھایا وہاں۔“  
 ”وہ بوا.....!“ وہ یکدم نروس ہو گئی تھی۔  
 ”اچھا خیر اب یہاں آئی ہو تو کچھ دن رہو گی نا“  
 میں تمہاری بھر جائی سے کہوں گی کسی دن ڈاکٹر کے پاس لے جائے تمہیں۔“

”کچھ دن...“ اس کا جی چاہا وہ بوا کو بتا دے کم از کم صرف بوا کو کہ وہ کچھ دنوں کے لیے نہیں آئی بلکہ شاید ہمیشہ کے لیے..... ایاز نے نینا عادل سے کہا تھا۔  
 ”آپی اس سے کہہ دینا اب لوٹ کر نہ آئے یہاں“  
 تھک گیا ہوں ان چار سالوں میں۔“ لیکن لفظ اس کے حلق میں پھنسنے لگے تھے وہ خاموشی سے کچن سے باہر نکل آئی۔

”تمہاری امی کو تمہارا آنا کچھ اچھا نہیں لگا لیکن پروا مت کرو تمہارے باپ کا گھر ہے ہزاروں بار آؤ۔“ بوا نے چاہتے جاتے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی وہ ایک لمحے کو کھٹکتی تھی۔ اب امی کو اچھا لگے یا برا اسے رہنا تو یہیں تھا۔

وہ لاؤنج میں کچھ دیر کھڑی انوشہ کو دیکھتی رہی جو اس کی موجودگی سے قطعی بے نیاز.... بڑے انہماک سے بی وی دیکھ رہی تھی پھر وہ لاؤنج اور سٹنگ روم کا درمیانی پردا ہٹا کر سٹنگ روم میں آئی شیشے کی دیوار سے باہر لان میں بیٹھی بھابیوں کو دیکھا اور پھر گیٹ کھول کر باہر نکل آئی اور پورچ کی سیڑھیاں اتر کر لان میں آ گئی۔  
 ”ہائے ایلا..... تم جاگ گئیں۔“

”اللہ ہم کب سے تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔“ کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئی تھیں وہ دھیمے دھیمے چلتی لان کے وسط میں آ گئی۔ پہلے شابی بھابی اور پھر روشی بھابی نے اسے گلے لگایا جبکہ ان کی بہنوں نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ آگے کر دیا تھا۔

”اسے پہچانا تم نے؟“ روشی بھابی نے اپنی بہن کی طرف اشارہ کیا ”میری بہن ہے اسما پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔“

چار سال پہلے وہ فرسٹ ایئر میں داخل ہوئی تھی جب روشی بھابی اسے لائی تھیں اور اگر جو وہ یہاں ہوئی تو اس وقت وہ بھی یونیورسٹی میں ہوتی۔  
 ”پہچان لیا ہے نا!“

”ہاں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔  
 ”اور یہ میری چھوٹی بہن ہے گڑیا۔“ شابی بھابی نے بھی تعارف کروایا۔

”اچھا۔“ اس نے ایک سرسری سی نظر گڑیا پر ڈالی تھی۔ شابی بھابی کی تین بہنیں تھیں جب اس کی شادی ہوئی تھی تو ان کی درمیان والی بہن رہ رہی تھیں یہاں۔  
 ”تمہیں تو گڑیا یاد نہیں ہوگی بالکل ایک دو بار ہی یہاں آئی تھی تمہارے ہوتے۔“  
 ”جی۔“

”یہ پڑھتی ہے یہاں اسلامیہ کالج سے بی اے کر رہی ہے۔“

”لیکن وہاں جھنگ میں بھی تو کالج ہے لڑکیوں کا۔“ بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔  
 ”ہاں ہے تو لیکن گڑیا لاہور میں پڑھنا چاہتی تھی۔“  
 خلاف توقع شابی بھابی نے برا نہیں منایا تھا حالانکہ وہ بات کر کے اذہد ڈر گئی تھی۔

”یہاں ایرے غیرے رہ کر پڑھ سکتے ہیں تو پھر گڑیا کیوں نہیں اس کی تو پھر خالہ کا گھر ہے بلکہ دُہری رشتے داری ہے ابی کی طرف سے ماموں کا گھر بھی ہے۔“

”اچھا۔“ روشی بھابی کا انداز طنزیہ تھا ”یہ بھی تو کہو نارشتے کی خالہ.....!“

”ہوں...“ شابی بھابی ہوں کر کے اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

”بیٹھو ایلا تم چار سال بعد بھی ویسی ہی ہو دبلی پتلی نازک سی ذرا بھی تو نہیں بدلیں۔“ خود وہ قدرے فرہ ہو گئی تھیں۔

”اچھا.....“ وہ ہولے سے ہنسی اسے تو لگتا تھا جیسے وہ بہت بدل گئی ہے اور اس نے چار سالوں میں بڑھاپا اوڑھ لیا ہے۔

”واقعی ایلا تم بالکل ویسی ہی ہو لگتا ہی نہیں کہ چار سال امریکا میں گزار کر آئی ہو جب تم یہاں سے گئی تھیں جب بھی تم ایسے ہی اسی انداز میں دوپٹا اوڑھتی تھیں اور آج بھی ویسے ہی اوڑھ رکھا ہے۔“ شابی بھابی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

”وہاں تو جینز اور اسکرٹ وغیرہ پہنتی ہوگی۔“ گڑیا نے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں تو۔“ وہ گھبرا گئی ”یہی شلوار قمیص۔“ چند ایک بار جب وہ باہر گئی تھی تو اس نے جینز پہنی تھی جو ایاز اس کے لیے لایا تھا۔

”جب کبھی اسٹور پر جاؤ گرو سری وغیرہ لینے تو اس ڈریس میں نہ جایا کرو لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں اس عجوبے کو۔“ وہ تو کم ہی گھر سے نکلتی تھی ایاز خود ہی ویک اینڈ پر سامان لے آتا تھا کبھی مجبوراً ٹکنا پڑتا تھا۔  
 ”کیا باہر بھی انہی کپڑوں میں جاتی تھیں؟“

”میں بہت کم باہر گئی ہوں۔“  
 ”ہیں کیا ایاز نے قید کر کے رکھا ہوا تھا؟“ روشی بھابی نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا تھا۔  
 ”نہیں..... نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔  
 ”میں خود ہی نہیں جاتی تھی۔“

”چار سال امریکا میں رہ کر آئی ہو اور ویسی ہی ہو بدھو کی بدھو.....“ روشی بھابی نے قہقہہ لگایا۔  
 ”کیا خیر بن رہی ہو آپا۔“ گڑیا نے شابی کے کان میں سرگوشی کی تھی جو سرگوشی ہرگز نہ تھی۔

”بونی..... بونی ادھر آؤ پیپو سے ملو۔“ شابی بھابی نے اس کی بات گویا سنی ان سنی کرتے ہوئے بونی کو آواز دی۔ بونی کے ساتھ چنگی اور بدر بھی آ گئے تھے۔ اس نے بونی اور چنگی کو پیار کر کے بدر کی طرف دیکھا تھا جو قدرے پیچھے کھڑا تھا۔

”یہ بدر ہے۔“ شابی بھابی نے بتایا۔  
 ”ہاں پہچان لیا ہے میں نے۔“ اس نے بدر کی



طرف ہاتھ بڑھایا۔

”کیسے ہو بدر چنڈا؟“

”ٹھیک ہوں۔“ اس کے انداز میں کوئی گرجبوشی نہ تھی۔

”میں تمہاری آپی ہوں پتا ہے تمہیں۔“

”ہاں، انوشہ نے بتایا تھا صبح کہ ہماری بہن آئی ہیں امریکا سے لیکن ماما کہہ رہی تھیں سوتیلی آپی ہیں۔“ اس نے بات مکمل کر کے فخر سے سب کی طرف دیکھا جیسے اپنی معلومات پر بہت فخر ہوا ہے ایلیا کے دل کو کچھ ہوا۔

”کیا ضروری ہے کہ رشتوں کے ساتھ یہ سوتیلا کا لفظ بھی لگا ہوتا..... کیا تھا یہ بے حد پیارا سا بچہ اسے صرف آپی کہتا سوتیلی آپی نہیں۔“

”بدر ذرا اندر جا کر بوا سے کہو کہ ایلہ کے لیے چائے بنا دے کھانا تو تم اب رات کو ہی کھاؤ گی نا!“ بدر سے بات کرتے کر کے وہ یکدم ایلیا کی طرف مڑ گئی تھیں۔

”میں کیوں جاؤں؟“ بدر نے صاف انکار کر دیا۔

”بوی کو بھیجونا!“

”ابی جان اور چھوٹی امی کے لاڈنے بگاڑ دیا ہے اسے۔“ شابی بھابی بڑبڑائیں۔

”بھابی میں چائے پی کر آئی ہوں۔“

”ہیں کیا واقعی!“ روشی نے اسے دیکھ کر آنکھیں پھاڑیں۔ غالباً ہر بات پر آنکھیں پھاڑنے کی عادت ہو گئی تھی اسے۔

”ہاں۔“ وہ جیسے شرمندہ ہو گئی ”بوا نے بنا دی تھی۔“

”اچھا اچھا اور چھوٹی امی سے ملاقات ہوئی؟“

”ہاں، انوشہ اور چھوٹی امی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہی تھیں ابی جان البتہ کمرے میں تھے چھوٹی امی کہہ رہی تھیں کہ وہ تھکے ہوئے آئے ہیں آفس سے آرام کر رہے ہیں۔“

”لو... روشی اور شابی بھابی ہنسنے لگیں ”وہ تو آج آفس گئے ہی نہیں صبح سے گھر پر ہی تھے چھوٹی امی کی طبیعت ناساز بھی نا ان کی ناز برداری کر رہے تھے۔“ بدر نے

پاؤں پٹخا۔

”میں بتاؤں گا امی کو سب! وہ اپنی بال لے کر چلا گیا۔“

”نوسال کا ہے لیکن پورا فتنہ ہے ایللی اس سے بچ کر رہنا“ شابی بھابی نے تنبیہ کی وہ کچھ بولے بنالان سے باہر جاتے بدر کو دیکھنے لگی۔ پنکی اور بوبی اس کے قریب آگئے تھے اس نے پنکی کو گود میں بٹھالیا اور دونوں سے باتیں کرنے لگی ان کی چھوٹی چھوٹی معصوم باتیں اسے اچھی لگ رہی تھیں۔

”بھابی زین کہاں ہے؟“ اس نے بوبی سے باتیں کرتے کرتے پوچھا۔

”سورہا ہے ابھی کچھ دیر پہلے ہی سویا ہے اب رات تک سوتا رہے گا۔“

”کیسا ہے وہ؟“ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

”بوی کی طرح ہی ہے لیکن اس کی آنکھیں بدر جیسی ہیں کچھ کچھ نیلی نیلی سی۔“

”سچ“ کتنا کیوٹ ہو گا نا وہ!“ اس وقت وہ ہر بات جیسے بھول گئی تھی۔

”ہاں سب ہی اسے پیار کرتے ہیں۔“ شابی بھابی کے لہجے سے فخر جھلکنے لگا تھا اس نے دیکھا روشی بھابی کا چہرہ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ پنکی پانچ سال کی ہو گئی تھی اور ان کی بڑی شدید خواہش تھی کہ وہ ایک بیٹے کی ماں بن کر معتبر ہو جائیں لیکن شاید ابھی اللہ کو منظور ہی نہ تھا۔

”اور یہ تم جو دوسروں کے بچوں پر اپنی محبت لٹا رہی ہو خود کیا یوں ہی رہنا ہے۔“ روشی نے اپنا غم کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اب وہ کیا کہتی کہ ایاز ایسا نہیں چاہتا تھا ”بچے ہو جائیں گے تو پابند ہو جاؤں گا مگر تم صرف ابا کی زندگی تک ہو میرے گھر میں یہ یاد رکھو اس لیے مجھے تم سے بچے نہیں چاہئیں۔“

”دوسروں کے کہاں اپنے ہی تو ہیں اپنے بھائی کے بچے۔“

”ہاں خیر وہ تو ہیں لیکن تم کیا فیملی پلاننگ پر عمل کر رہی ہو؟“

”نہیں بس وہ اللہ کی مرضی۔“ وہ پھر نزوس ہو گئی۔



ان سارے سوالوں کے باب تو اسے دینے ہی تھے اور نہ جانے کتنے اور سوالوں کے۔

”پچھو آپ میرے لیے کیا لائی ہیں امریکا سے؟“  
بوبی نے اس کے رخسار ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا وہ از حد شرمنا ہو گئی تھی۔ اس کے پاس تھا ہی کیا ایاز نے تو کبھی اسے ایک پیسہ تک نہیں دیا تھا ہاں ضرورت کی ہر چیز لے آتا تھا اور اگر وہ شاپنگ کے لیے جاتی تو اتنی ہی رقم دیتا تھا جو خرچ ہو جاتی تھی۔  
نینا عادل نے کہا تھا ”یلا اپنے گھر والوں کے لیے کچھ گفٹ لے لو۔“

”گفٹ کیا کرنے ہیں؟“ وہ نینا عادل پر غاہ نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے ”سب کچھ پاکستان میں بھی مل جاتا ہے۔“

”پھر بھی اتنے سالوں بعد جا رہی ہو تو کچھ لے لینا ضرور..... عزیز رشتے داروں کو انتظار ہوتا ہے کہ جو باہر سے آیا ہے ضرور کوئی گفٹ لایا ہوگا۔“ پھر جیسے نینا عادل جان گئی تھی سب کچھ ایئر پورٹ جانے سے پہلے اس نے ایک بھرا ہوا بیگ اس کے حوالے کیا تھا۔

”اس میں کچھ گفٹ ہیں تمہارے بہن بھائیوں کے لیے میں کل آفس سے اٹھ کر خرید لائی تھی وقت نہیں تھا زیادہ کچھ نہیں لے سکی تاہم.....“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”نینا عادل میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔“  
”یا گل نہ ہو تو تمہارے ساتھ میرا ذیل رشتہ ہے آج کی نسبت سے تم میری بھابی ہو اور میں نے تمہیں اپنی چھوٹی بہن بھی بنایا ہے میری کوئی بہن نہیں تھی اور میں سوچتی تھی اگر میری بہن ہوئی تو میں اپنے دکھ سکھ اس سے کہتی اور اللہ نے شاید میری دعا سن لی کہ مجھے تم مل گئیں پتا ہے ایلا جب حذیفہ کے پاپا بستر پر تھے تو میں نے بڑی اذیت بھری زندگی گزار لی۔ بچے چھوٹے تھے مجھے کام بھی کرنا تھا ان کی دیکھ بھال حذیفہ کے پاپا کی تیمارداری وہ بستر پر پڑے پڑے بہت چڑچڑے ہو گئے تھے۔ مجھے ذرا دیر ہو جاتی تو شک کرنے لگتے تھے بہت مشکل دن تھے وہ اور میں کسی سے اپنا دکھ کہہ نہیں سکتی

تھی لیکن اب تم ہونا میری بہن مجھے ہمیشہ اپنی بڑی بہن سمجھنا اور دیکھو پاکستان جا کر مجھے بھول نہ جانا اور مجھ سے رابطہ رکھنا۔“ اب پتا نہیں اس بیگ میں کیا کیا تھا بوبی کے مطلب کی کوئی چیز تھی بھی یا نہیں۔

”میرے لیے تو پچھو گڑیا لائی ہوں گی ہیں نا پچھو؟“ پتلی کہہ رہی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کیا ہی اچھا ہوتا بڑے بھیا اس کے بیگ کے ساتھ وہ دوسرا بیگ بھی لے آتے لیکن انہوں نے ڈی سے ایک ہی بیگ نکالا تھا۔

”دوسرا بھی لے آتا ہوں۔“ اور اب پتا نہیں وہ ابھی تک ان کی ڈی میں ہے یا انہوں نے آفس جانے سے پہلے نکال کر کہیں رکھوا دیا ہے۔

”چلو چپ کروندی جیسے تم نے پہلے کبھی گڑیا تو دیکھی ہی نہیں۔“ روشی نے پتلی کو اپنی طرف کھینچا تھا۔

”بھابی بچے ہیں کیا ہوا؟“ اس کی آواز دبی دبی سی تھی۔

”زین جاگ نہ گیا ہو۔“ شابی بھابی اٹھ کھڑی ہوئیں تو ان کے پیچھے ہی روشی بھابی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”پتلی کے پتا آنے والے ہوں گے ان کے کپڑے وغیرہ نکال کر رکھوں آتے ہی چینج کرتے ہیں۔“ وہ لان میں اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔ صرف لان کے ایک کونے میں بدر کھڑا اپنی بال کو تک لگا رہا تھا گڑیا اور اسما بھی ان کے پیچھے جا چکی تھیں اور جاتے جاتے بوبی اور پتلی کو بھی لے گئی تھیں۔

☆☆☆

”دونوں بھابیاں بڑی شاطر ہیں اور ان کی بہنیں بھی۔“ بدر بال کو تک لگا تا اس کے قریب آ گیا تھا۔ ”مما کہتی ہیں ان سے دور دور رہا کرو۔“ وہ حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔

”جب اکیلی ہوتی ہیں تو ممما کے خلاف بولتی رہتی ہیں میں بھی سب ممما کو بتا دیتا ہوں۔“ اس کا انداز فخر یہ تھا وہ حیران سی اس ننھے بچے کو دیکھ رہی تھی۔  
”یہ تو بری بات ہے کسی کی چغلی کھانا۔“

”تو.....“ اس نے کندھے اچکائے۔

”وہ بھی تو میری ممما کی برائیاں کرتی ہیں۔“

”کس کلاس میں پڑھتے ہو؟“

”نور تھ میں۔“ تب ہی اندرونی گیٹ کھلا اور

اسفندیار نے بدر کو آواز دی تھی۔

”بدر تم ابھی تک لان میں کیا کر رہے ہو اپنا ہوم ورک کرو آ کر۔“

”ابی جان۔“ وہ بیتابی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

اسے ابی جان سے کتنی محبت تھی یہ وہ نہیں بتا سکتی تھی ان کی ناراضی، خفگی اور سرد مہری کے باوجود وہ انہیں بہت زیادہ چاہتی تھی سات سال تک جس طرح انہوں نے اس کے لاڈ اٹھائے تھے وہ تو ذہن میں نقش ہو گئے تھے۔

”تم آ گئیں؟“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ

رکھا۔

”ایاز ٹھیک ہے۔“

”جی۔“ اس کی آواز رندھ گئی ان کے لہجے میں

کوئی اشتیاق نہیں تھا اور وہ اس کے بجائے بدر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”آفتاب کا فون آیا تھا تم سو رہی تھیں تمہارا پوچھ رہا تھا کہ خیریت سے پہنچ گئیں پھر کرے گا۔“

”جی اچھا۔“

”بدر تم چلو اندر۔“

”پپا آپ نے مجھے ایم پی تھری دلانے کا وعدہ کیا

تھا لائے ہیں۔“

”ابھی دو ماہ پہلے میں نے تمہیں واک مین لے کر

دیا ہے اور اب.....“ وہ ان دونوں کے پیچھے چلتی

ہوئی لاؤنج میں آ گئی تھی انوشہ ابھی تک اسی انداز میں

صوفے پر بیٹھی تھی۔ بوبی اور پتلی بھی اس کے پاس بیٹھے

تھے جبکہ روشی اور شابی بھابی شاید اپنے اپنے کمروں میں

چلی گئی تھیں۔

”اب واک مین کوئی نہیں رکھتا پپا اس کا فیشن نہیں

ہے وہ تو ریڈی والوں کے پاس ہوتا ہے۔“ وہ دس سالہ

لڑکا کہہ رہا تھا۔

”مجھے ایم پی تھری چاہیے بس۔“ اسفندیار نے اس



کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور ایک صوفی پر بیٹھ گئے تھے۔

”ذرا کوئی نیوز چینل تو لگاتا انوش چندا سنا ہے صدام حسین کو پکڑ لیا گیا ہے۔“ وہ حسرت سے انہیں دیکھ رہی تھی وہ چار سال بعد آئی تھی اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اپنی جان سے ڈھیر ساری باتیں کرے لیکن ابی جان اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

”پاپا! مجھے ایم پی تھری لینا ہے۔“

”پاپے تم پانچویں کا امتحان دے لو پھر۔“

”اور دو سال بعد تو ایم پی فور فائونڈ جانے کیا کیا آجائے گا“ پلیز پاپا مجھے ابھکی چاہیے۔“ اس نے ضد کی۔

”اچھا..... اچھا! دوں گا ابھی خبریں سننے دو۔“

ابن نے حیرت سے اسفند یار کی طرف دیکھا۔ شاید شاہی اور مدی بھائی حج کہہ رہی تھیں ابی جان بدر کو بگاڑ رہے ہیں۔

”ارے..... مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔“ ہوانے یکن سے باہر آ کر کہا ”صبح آفس جاتے ہوئے بڑے بھیا نے تمہارا بیک بھجوا دیا تھا اندر میں اپنے ادھر اسٹور میں رکھ چھوڑا ہے وہ کجنت ڈرامہ اور لاؤنج میں ہی چھوڑ گیا“ آواز دیتی رہی کہ شاہ کا کمر اوپر ہے اوپر لے جاؤ لیکن سنا ہی نہیں اور لاؤنج میں رکھ کر یہ جاؤ وہ جا۔“

”کوئی بات نہیں پاپا! ادھر رہی لے آئیں باہر۔“ ہوا بیک گھسیٹ کر باہر لے آئیں تو وہ اچھ کر کھڑی ہو گئی۔

”اے اب خود نہ اٹھا کے چل دینا اچھا خاصا بھاری ہے کہیں کمر میں درد ہی نہ بیٹھ جائے۔ کل اللہ مارا مونا آجائے گا تو چھوڑ آئے گا اوپر“ کچھ ضروری چیز نکالتی ہے تو نکال لو پھر میں ادھر یکن کے اسٹور میں ہی رکھ دیتی ہوں ایسا آسان ہوتا اٹھاتا تو خود نہ چھوڑ آتی میں۔“

”جی ہوا میں کمرے سے چھپائی لے کر آئی ہوں۔“

اس نے اپنا پرس کمرے میں ہی پھینک رکھ دیا تھا۔ کچھ ڈالر جو نینا عادل نے آتے ہوئے اس کے پرس میں ڈالے تھے اور چند چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بیک کی چابیاں بھی اسی میں تھیں۔

”اس میں ضرور ہمارے لیے گھٹ ہوں گے۔“

اس نے سڑکیاں چڑھتے ہوئے بوٹی کو کہتے سنا۔

”الہی ہو کیا؟“ بدر کی بڑبڑاہٹ کافی اونچی تھی لیکن چھ سالہ بوٹی نے اس کی بات کی پروا نہیں کی تھی اور گیس ٹرور ہاتھ لگا کر پھوٹا اس کے لیے کیا گھٹ لائی ہوں گی۔

دونوں بھابھیاں لاؤنج میں بیٹھی تھیں صوفوں پر جبکہ ڈینی ٹریا اور اسما نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھیں اور لی وی پر کوئی انڈین چینل لگا ہوا تھا۔

”یہ ڈراما ہم بہت شوق سے دیکھتے ہیں اس لیے تم بیٹھتیں تا نیچے ابی جان کے پاس وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے اور تمہارے بھائی بھی آنے والے ہوں گے۔“ شاہی بھابی میں روشی بھابی کے مقابلے میں مردت کچھ زیادہ تھی۔

”جی میں بیک کی چابی لینے آئی ہوں نیچے ہی جارہی ہوں۔“

”ابی جان سے ملیں! روشی بھابی نے یوں پوچھا جیسے اس نے شاہی بھابی کی بات سنی ہی نہ ہو۔“

”جی۔“ وہ کمرے میں چلی گئی پرس اٹھا کر اس میں سے چابی نکالی اور واپس نیچے آ گئی۔

”یا اللہ اور کسی کے لیے کچھ ہونہ ہو بوٹی اور بچی کے لیے ضرور کچھ خریدنا ہوتا ہے۔“ اس نے دھڑکتے دل سے بیک کھولا۔ بوٹی اور بچی مارے اشتیاق کے اس کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے جبکہ بدر دور ہی بیٹھا کن آنکھوں سے اسے تنک رہا تھا تھا تو وہ بھی پچھ ہی نہیں وہ بوٹی اور بچی سے بہر حال زیادہ سمجھدار تھا۔ اس نے لاک کھول کر بیک کی زپ کھینچی۔ سب سے اوپر ہی جو ڈیڑا تھا وہ ڈول کا تھا۔ بڑی سی ہنسنے رونے والی ڈول اس نے ڈیڑا بچی کو دیا۔ وہ خوش ہو کر اوپر کی طرف بھاگی۔

پھر اس نے ایک پیکٹ اٹھایا اس میں جرسی تھی اس نے باہر نکالا تو اسے ایک اور ڈیڑا ملا۔ ریوٹ سے چلنے والی گاڑی۔ بوٹی اچھلنے لگا تھا اس نے اس کے ہاتھ میں ہی ڈیڑے پر پانی گاڑی کی تصویر دیکھ لی تھی۔ پتا نہیں یہ بوٹی کے لیے تھی یا بدر کے لیے اس نے مزکر بدر کو دیکھا جس کی آنکھوں سے اب اشتیاق جھلک رہا تھا لیکن وہ

اپنی جگہ پر ہی بیٹھا تھا۔

نیا اس گھر کے ہر فرد کے متعلق جانتی تھی۔ بھینا اس نے سب کے لیے ہی کچھ نہ کچھ لیا ہوگا لیکن اب پتا نہیں ابی کے لیے کیا تھا پتا نہیں کیوں اسے گمان گزرا تھا کہ یہ گاڑی بدر کے لیے ہوگی۔ بوٹی نے خود ہی اس کے ہاتھ سے گاڑی لے لی تھی اور بچی کے پیچھے ہی اوپر بھاگ گیا تھا وہ چیزیں نکال کر باہر رکھتی جارہی تھی۔ اسے یہ بیک اپنے کمرے میں کھولنا چاہیے تھا اب پتا نہیں..... بھی اسے وہ چھوٹا سا ڈیڑا نظر آ گیا۔ ایم پی تھری۔ اس نے نینا کے چھوٹے ہنسنے کے پاس ایسا ہی ڈیڑا دیکھا تھا اور مغیرہ نے اپنے ایم پی تھری پر اسے گانے بھی سنوائے تھے۔

”بدر۔“ اس نے خوشی سے اسے آواز دی تھی۔

”یہ رہا تمہارا گھٹ۔“ بدر کی آنکھوں میں یکدم ہنک اتر آئی تھی۔

”تھینک یو۔“ اس نے ڈیڑا پکڑ کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

”چلو تمہاری ایم پی تھری کی خواہش تو خود ہی پوری ہو گئی۔“ انوش نے بدر کو ڈیڑا کھولتے دیکھ کر کہا تھا۔

اس نے سارا سامان نکال کر باہر رکھ دیا تھا۔ سب سے نیچے ایک قدرے بڑا سا پیکٹ تھا جس پر لکھا تھا چچا جان کے لیے۔ ایلیا نے وہ پیکٹ بیک میں ہی رہنے دیا اور بیک بند کر لیا اور باہر نکلے ہوئے پیکٹ دیکھنے لگی۔

میک اپ کس یقیناً بھابیوں کے لیے تھے دو جریاں جو ایک جیسی تھیں اور خوبصورت لیدر کے پرس بھائیوں کے لیے ایک مردانہ ریڈ واچ یقیناً ابی جان کے لیے ایک نازک سی لیڈی واچ جس کے ڈائل پر سلی ڈائمنڈ لگے تھے یقیناً انوش کے لیے تھی ایک چھوٹا سا جیولری باکس اور ایک پیارا سا لاکٹ بھی تھا فرفری لیڈی جیکٹ اور گرم جریاں تھیں اس نے انوش کا گھٹ اس کی طرف

U.K امریکہ، کینیڈا اور پاکستان کے معروف عالمی شہرت یافتہ ماہر خاندانی معالج

## الحاج حکیم سید شفقت علی شاہ

CONSULTANT  
Herbalist &  
Homeopathic  
PHYSICIAN

خواتین کے جملہ امراض نسواں کے بارے میں مکمل اعتماد کے ساتھ مشورہ کر سکتی ہیں کمزور بچوں کا وزن بڑھانے کیلئے فوری رجوع کریں

سوریا سیس، ایگزیم، بواسیر، ذیابیطس، سانس کی تکلیف  
جوڑوں کا درد، برص، پھلجھری، ہیپاٹائٹس بی اور سی، پتھری  
گردہ و مثانہ، پراسٹیٹ گلیڈنڈ کا بغیر آپریشن کا میاب علاج

For Consultation and Appointment Call  
Ph & Fax: 0161-2052118, Mob: 07984 229845  
228 Moston Lane Moston Manchester M40 9NS England  
E-mail: syedherblist@yahoo.com



بڑھایا۔

دونوں بھابیاں بوبی اور پنکی کے ساتھ نیچے آگئیں، شابی بھابی کی گود میں ننھا زین تھا اس نے اٹھ کر زین کو گود میں لے کر پیار کیا لیکن وہ رونے لگا تو اس نے واپس شابی بھابی کو دے دیا اور ان کے گفتگو نہیں دیے۔

”ان کی کیا ضرورت تھی بھئی؟“ شابی بھابی نے گفتگو لیتے ہوئے کہا۔ زین کے لیے بھی دو خوبصورت بے بی سوٹ تھے۔ چھوٹی امی کے لیے بھی اس نے جرسی لیڈر کا پرس اور ایک میک اپ کٹ جس میں صرف لپ اسٹک تھیں الگ کر کے رکھ دی تھی۔ ایک ہلکے رنگ کی جرسی اس نے بوا کو دے دی۔ جواب میں بوانے اسے ہزاروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

پرفیومز، آفٹر شیو، لوشن، الیکٹرک شیور وہ ایک ایک کر کے چیزیں ایک طرف رکھتی جا رہی تھی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، نینا عادل نے اسے کتنا زیر بار کر دیا تھا۔ کیا اس دنیا میں نینا عادل جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں اس کا دل بھر آیا۔ سب کے گفتگو الگ کر کے اس نے بچے ہوئے پرفیومز اور ایک دو جرسیاں بیگ میں ڈال دیں۔

”ابی جان، یہ آپ کے لیے۔“ وہ ان کا گفتگو لے کر اٹھ کر ان کے قریب آئی۔

”کیا ضرورت تھی۔“ انہوں نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر نگاہیں لی دی پر جمادیں۔ اس نے ان کے پاس پڑی چھوٹی ٹیبل پر ان کے گفتگو رکھے اور واپس آ کر بیٹھ گئی۔

شابی بھابی اور روشی بھابی خاصی خوش نظر آرہی تھیں۔

”یہ تم نے اچھا کیا پرس لے آئیں ورنہ یہاں سے پرس خریدو تو مہینہ بھر بعد ہی زپ خراب ہو جاتی ہے۔“ شابی بھابی کو اپنا پرس بہت پسند آیا تھا بدراپنے ایم پی تھری کے ساتھ مصروف تھا۔

”توڑ مت دینا چھوٹو، یہ خاصا قیمتی ہوتا ہے۔“ انوشہ نے اسے تنبیہ کی۔

”دس ہزار کا تو ہوگا، ہے نا۔“ انوشہ پوچھ رہی تھی وہ چونکی اسے کیا پتا کتنے کا ہے۔

”تحفوں کی قیمت نہیں پوچھتے۔“ شابی بھابی نے اسے مصیبت سے نکالا بھی... چھوٹی امی بھی کمرے سے نکل آئیں۔

”چھوٹی امی، یہ آپ کے لیے گفتگو۔“ اس نے چھوٹی امی کا گفتگو انہیں دیا۔

”تم نے خواہو اتنا خرچ کیا۔“ انہوں نے نخوت سے ناک چڑھائی اور جرسی کو الٹ پلٹ کر دیکھا ”اب بھلا لاہور میں اتنی سردی کہاں پڑتی ہے۔“

”لیکن مہما پچھلے سال تو آپ خود کریم اینڈ سنز سے جرسی لے کر آئی تھیں اور یہ تو اس سے زیادہ اچھی ہے۔“ انوشہ کو غالباً سچ بولنے کی بیماری تھی۔

”انوشہ، اٹھو یہاں سے، کب سے ٹی وی کے آگے بیٹھی ہو جاؤ اپنا ہوم ورک کرو جا کر اور تم بھی بدراٹھو بیٹھ جاتے ہو ٹی وی کے آگے انہوں نے اپنا غصہ نکالا اور پھر بوا کو آواز دی۔

”بوا پانی دو ایک گلاس اور دیکھو کل کی طرح کھانا لگاتے لگاتے گیارہ نہ بجادینا، مونا کیا چھٹی پر گیا ہے تم بہت ہی سست ہو گئی ہو۔“ بوانے خاموشی سے لا کر پانی کا گلاس انہیں دیا اور واپس مڑ گئیں وہ خاموش بیٹھی بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

انوشہ اور بدرماں کی ڈانٹ کھا کر اسٹڈی میں چلے گئے تھے لیکن اس کا ذہن بار بار نینا عادل کی طرف چلا جاتا تھا، نینا نے اسے آج ان سب کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا تھا لیکن یہ سب بہت زیادہ تھا..... کیا کبھی وہ نینا عادل کے احسان کا بدلا چکا سکے گی۔ شاہد کبھی نہیں.....

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں





تھے لیکن چھوٹے بھیا قدرے غریب ہو گئے تھے۔  
 ”چھوٹے بھیا...! وہ بے قراری سے ان کی طرف  
 بڑھی۔

”ہاں بھئی بے بی کیسی ہو؟“ چھوٹے بھیا نے گرم  
 جوش سے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر ایک بازو اس کے گرد

بیاہر گاڑی کا بارن بچا ہوا۔  
 ”پاپا آگئے۔“ بولی اور چکی ایک ساتھ اچھلنے لگے  
 تھے اس کی نظریں بھی دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔  
 بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا آگئے پیچھے کمرے میں داخل  
 ہوئے۔ بڑے بھیا تو ویسے عوامی اسٹارٹ اور بیک سے

ناولٹ

## ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما



عائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ چھوٹے بھیا  
 کی اس گرم جوشی پر اس کا دل خوشی سے بھر گیا پورے گھر  
 میں واحد چھوٹے بھیا تھے جنہوں نے اس طرح قدرے  
 گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔  
 ”تم تو بالکل ویسی ہی ہو چوہیاسی۔“ اسے الگ  
 کرتے ہوئے وہ کہنے۔

”اور آپ مولے ہو گئے ہیں۔“

”ہاں! کچھ کچھ۔“

”جی نہیں! کچھ کچھ نہیں ٹی نکل آئی ہے۔“ روشی بھائی نے  
 نور اکہا۔

”روز کہتی ہوں صبح داک کریں! مرغین غذا نہیں نہ  
 کھایا کریں لیکن انہیں تو پرواہی نہیں۔“

”اب کیا کرنا ہے پروا کر کے کون سی دوسری شادی  
 کرنی ہے۔“ چھوٹے بھیا نے قہقہہ لگایا۔

”اور جو پروا کرتے ہیں کیا انہوں نے دوسری  
 شادی کرنا ہوتی ہے۔“ روشی بھائی نے کن انہیوں سے  
 بڑے بھیا کی طرف دیکھا تو وہ شینٹا گئے چھوٹے بھیا کا  
 قہقہہ ابل پڑا۔

”بڑے بھیا ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تم خواہواہ  
 شابی بھائی کو نہ درغلاؤ۔“

”مجھے اعتبار ہے ان پر۔“ شابی بھائی کا انداز بے  
 پرواہی کا سا تھا لیکن ایلیا جاتی تھی کہ اب بڑے بھیا کی  
 خبر نہیں حالانکہ بڑے بھیا کی فریکس ہی ایسی تھی وہ  
 شروع سے ہی دہلے پٹکے تھے جبکہ چھوٹے بھیا بچپن میں





اچھے خاصے گول مٹول سے ہوتے تھے۔ وہ تو جڑ میں آکر انہوں نے جم جانا شروع کیا تھا اور جو ڈکرائے کا سینئر بھی جوائن کر لیا تھا وہ بلیک بیلٹ ہولڈر تھے۔ ایلیا نے موضوع بدلنے کے لیے دونوں بھائیوں کو گفت دے دونوں نے ہی خوشی کا اظہار کیا چھوٹے بھیا نے تو دل کھول کر تعریف کی۔

”ارے بے بی تمہیں کیسے پتا چلا کہ مجھے یہ آفر شیولوشن پسند ہے اور الیکٹرک شیور لینے کا تو میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا۔“

”اور جیسے پہلے تو بھی نہ آفر شیولوشن استعمال کیا ہے اور نہ شیور۔“ روشی بھابی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی تھیں۔ انہیں چھوٹے بھیا کا... حد سے زیادہ خوشی کا اظہار بالکل پسند نہیں آ رہا تھا۔ شانی بھابی کے ساتھ مل کر طے کیا تھا کہ ایلیا کو زیادہ اہمیت ہرگز نہیں دینی تاکہ کہیں وہ اپنا پروگرام لمبا نہ کر لے اور یہ بلال تو ہے ہی بے وقوف۔

”اور چھوٹے بھیا۔“ بدر اپنا ایم پی تھری لے کر ان کے پاس چلا آیا۔

”یہ دیکھیں نا میں کتنے دنوں سے ڈیڈی سے کہہ رہا تھا اور ڈیڈی نہیں لے کر دے رہے تھے میں نے اپنا واک مین انوشہ کو دے دیا ہے۔“

”تم پھر باہر آ گئے۔“ چھوٹی امی نے اسے گھر کا۔

”میں نے کہا تھا ہوم ورک کرو۔“

”مما آپ بھی بس اگر کسی کی بہن امریکا سے آئی ہو تو وہ ہوم ورک نہیں کرتا بلکہ بیٹھ کر اس سے باتیں کرتا ہے اور آپ نے مجھے اور انوشہ کو اسٹڈی میں بھیج دیا۔“

”آئے کہیں کے گئے۔“ چھوٹی امی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹڈی میں لے گئیں ایلیا کا رنگ لمحہ بھر کو پھیکا پڑ گیا۔

جب وہ یہاں سے گئی تھی تو چھوٹی امی تب بھی ایسی ہی تھیں کبھی جو انوشہ یا بدر کے پاس اسے پھٹکنے دیتیں حالانکہ جب بدر پیدا ہوا تھا اور جب انوشہ پیدا ہوئی تھی تو وہ کتنی خوش تھی۔ چھوٹی سی چینی ناک والی انوشہ اپنی بے حد سفید رنگت کی وجہ سے اسے بہت اچھی لگتی تھی اور

وہ سوچتی تھی کہ انوشہ جب بڑی ہوگی تو پھر دونوں میں بہت دوستی ہوگی لیکن..... چھوٹی امی ذرا بھی تو نہیں بدلی تھیں۔

”بوا کھانا لگاؤ بھی بھوک لگی ہے۔“ بڑے بھیا نے خاموشی کو توڑا وہ لٹخ نام میں صرف چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ لے لیتے تھے۔

کھانا کھا کر وہ کمرے میں آئی اور بیک ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے سوچا ”انکل آفتاب کو فون کرنا چاہیے۔“ لیکن کتنی عجیب بات تھی اس کے پاس ان کا نمبر تک نہ تھا۔ ”ابی جان کے پاس ہوگا صبح ضرور کروں گی اس وقت تو ابی جاؤ سوچے ہوں گے۔“ بیڈ پر بیٹھے ہوئے ایک بار پھر اسے نینا عادل کا خیال آ گیا۔ ”اور نینا عادل کو بھی ضرور فون کروں گی مجھے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کتنی قیمتی چیزیں سب کے لیے لی تھیں اس نے۔“ ”ایلا تمہارا فون ہے۔“ روشی بھابی نے ذرا سا دروازہ کھول کر اسے بتایا اور پھر واپس مڑ گئیں۔

”اوہ۔“ وہ تیزی سے اٹھی اور لاؤنج میں آکر ادھر دیکھا جہاں پہلے فون سیٹ ہوتا تھا لیکن اب وہاں کوئی ڈیکوریشن نہیں پڑا تھا۔ پھر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اسے دائیں طرف پڑا فون نظر آ گیا تو اس نے بڑھ کر نیچے رکھا ہوا ریسپور اٹھالیا۔ دوسری طرف آفتاب انکل تھے۔

”ارے بیٹا کیسی ہو؟“ وہ بہت خوشدلی سے پوچھ رہے تھے۔

”اچھی ہوں آپ اور آنٹی کیسے ہیں؟“

”رب کا شکر ہے بیٹا بھلے چنگے ہیں تم بتاؤ کیا پروگرام ہے تمہارا؟“

”میرا پروگرام.....“ وہ کھوسی گئی۔

”اب واپس مت آنا کبھی بھی...“ ایلاز ملک نے جیسے اس کے کان میں کہا۔

”اچھا خیر آج ہی تو آئی ہو جی بھر کر رہ لو بہن بھائیوں کے پاس پھر بتا دینا میں لے جاؤں گا اور تم سے ملنے بھی آؤں گا دو تین روز تک بس ذرا تمہاری آنٹی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے کافی دنوں سے بہت خراب

مرمت ہے۔“

”کیا ہوا، کب سے بیمار ہیں آنٹی.....؟“ وہ پریشان ہو گئی۔

وہ چند ماہ جو حویلی میں رہی تھی آنٹی نے اسے بہت محبت دی تھی۔ ”مجھے ساس نہ سمجھنا ماں ہوں تمہاری۔“ وہ کہتی تھی اگر اس کی امی زندہ ہوتیں تو وہ اتنی ہی شفیق ہوتیں اتنی ہی محبت کرتیں اس سے۔

”ہیں کیا آجی نے تجھے نہیں بتایا؟“

”نہیں کیا ہوا آنٹی کو؟“ وہ اور پریشان ہو گئی۔

”اچھا اچھا تمہاری پریشانی کے خیال سے ذکر نہیں کیا ہوگا ریزہ کی ہڈی میں کچھ مسئلہ ہے چلنا پھرنا مشکل ہے درد بھی بہت رہتا ہے ڈاکٹر نے آپریشن بتایا ہے۔“

”جی میں ایک دو روز تک خود ہی آ جاؤں گی بھیا کے ساتھ آپ آنٹی کو اکیلے چھوڑ کر نہیں آئے گا۔“

”بھئی تمہاری آنٹی اب ایسی بھی بیمار نہیں ہیں تم جی بھر کر رہ لو اور اچھا یہ اپنی آنٹی سے بات کر لو۔“ وہ کچھ نہیں بولی تھی اسے تو اب یہاں ہی رہنا تھا ہمیشہ اور اس سے پہلے کہ ایلاز اسے مکمل طور پر اپنی زندگی سے علیحدہ کر دے وہ ایک بار سا ہیوال جا کر آنٹی سے مل آئے۔

”کیسی ہو میری جان؟“ آنٹی نے بہت محبت سے پوچھا۔

”جب سے تمہارے آنے کا سنا ہے تڑپ رہی ہو تمہارے انکل سے کتنا کہا کہ تمہیں خود ریسپو کر کے سیدھا سا ہیوال لے آئیں لیکن انہوں نے میری سنی ہی نہیں کہنے لگے نہیں اسے کچھ دن اپنوں کے پاس رہنے دو پھر تو ادھر ہی آنا ہے نا..... بچی کب آؤ گی زیادہ مت تڑپانا مجھے۔“ آنٹی کہہ رہی تھیں۔ جب وہ بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

”آنٹی میں جلد آؤں گی آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟“

”طبیعت کا بھی کیا ہے بیٹی بس اب چل چلاؤ ہی



ہے۔ "ان کے لہجے میں جانے کیا تھا ایلیا کو لگا جیسے وہ ابھی رو رہے گی۔

"نہیں نہیں۔۔۔۔۔" اس نے بے اختیار کہا "اللہ آپ کو بہت لمبی زندگی دے" میں نے تو آپ کے وجود میں ماں کی محبت پائی ہے۔" آنٹی نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

"میرا آجی کیسا تھا چندا۔۔۔۔۔؟"

"جی ٹھیک تھے وہ۔" اس کی آواز آہستہ تھی ایاز کے خیال سے اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ یہ سب لوگ یہ اتنے پیارے اتنے محبت کرنے والے چاہنے والے لوگ اس کے کوئی نہیں تھے ان کے ساتھ جو رشتہ جڑا تھا وہ ایاز کی وجہ سے تھا اور جب ایاز سے اس کا رشتہ ختم ہوگا تو یہ سب لوگ بھی جدا ہو جائیں گے وہ ان کی محبتوں سے بھی محروم ہو جائے گی اور پھر یہاں ان بے حس لوگوں کے درمیان اسے رہنا تھا ہمیشہ۔ چار سال پہلے جب وہ یہاں رہتی تھی تب بھی سب ایسے ہی تھے بے نیاز اور بے خبر ہاں بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا ابی جان بھی کبھی پیار سے بات کر لیتے تھے پھر ابی جان بھی ابھی ہو گئے۔

لیکن تب اسے ان کی بے حس اتنی محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن آج ان سولہ سترہ گفتگوں میں اس نے اس بے حس کو جتنا محسوس کیا تھا اتنا پہلے نہیں کیا تھا۔ کیا ان چار سالوں میں وہ زیادہ حساس ہو گئی ہے یا زیادہ سمجھدار کہ لوگوں کے رویوں کو محسوس کرنے لگی تھی۔ آنٹی سے کچھ مزید بات کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ دن میں وہ بہت سولی تھی اس لیے اس وقت اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ یہاں اس کمرے کے در و دیوار میں کتنی اجنبیت تھی حالانکہ چار سال پہلے وہ اسی کمرے میں رہتی تھی۔ جب ابی جان چھوٹی امی کو لے کر آئے تھے تو وہ پہلی بار اس کمرے میں سولی تھی۔

"اب تم بڑی ہو گئی ہو ایلا اور اس کمرے میں رہنا ہے تمہیں۔" ابی جان اسے خود چھوڑنے آئے تھے کمرے میں جبکہ وہ حسب عادات رات کا کھانا کھا کر ان کے بیڈ پر جا کر سوتی تھی۔ وہ نیند میں تھی اس لیے بیڈ پر گر

کر فوراً ہی سو گئی تھی لیکن رات کے پچھلے پہر اس کی آنکھ کھل گئی۔

"ابی جان۔" اس نے انہیں بلایا تھا۔ وہ یہاں کہاں آ گئی ابی جان کدھر ہیں۔ خوف سے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جب سے امی کی ڈب ڈبہ ہوئی تھی وہ ابی جان کے پاس ہی سوتی تھی۔ "شاید سوتے میں کوئی جن اٹھا کر مجھے یہاں لے آیا ہے۔" اس نے سوچا تھا اور پھر اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگی تھیں تب چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"کیا ہوا ایلا۔۔۔۔۔ کیا ہوا گڑیا؟"

"بڑے بھیا جن۔۔۔۔۔ آدہ ان۔۔۔۔۔" بھیا اور اس رات بڑے بھیا وہاں اس کے بیڈ پر اس کے پاس ہی سو گئے تھے لیکن اگلی صبح انہوں نے اسے سمجھایا تھا کہ اب اسے اس کمرے میں ہی رہنا ہے۔

"دیکھو میں اور بلال بھی تو اپنے اپنے کمروں میں اکیلے ہوتے ہیں نا" ہمیں تو بالکل سچی ڈر نہیں لگتا اور بلال تو پہلے میرے کمرے میں تھا پھر اس نے ابی جان سے ضد کر کے اپنا الگ کمرہ لیا اپنے کمرے کے تو بڑے مزے ہوتے ہیں تم اپنے کمرے کو اپنی مرضی سے بنانا۔"

پھر اس روز بڑے بھیا نے اس کے ساتھ اس کے کمرے کو سجایا تھا شوکیس میں اس کی گڑبوں کو سجایا اس کے کھلونے سجائے۔ ایک کونے میں گڑیا گھر رکھ دیا تھا اور پھر اس کی وارڈروپ میں اس کے کپڑے لٹکائے تھے۔ سارا دن وہ بہت خوش رہی تھی لیکن رات ہوتے ہی ایک انجانے خوف نے اسے اپنی پیٹ میں لے لیا تھا بڑے بھیا نہ جانے کہاں تھے وہ چپکے سے ابی جان کے بیڈ پر جا کر لیٹ گئی تھی اور پھر چھوٹی امی نے نہ صرف اسے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا تھا بلکہ اس کے رخسار پر چھینچ کر تھپڑ بھی لگایا تھا اور جو بات بڑے بھیا اسے سمجھانہ پائے تھے وہ چھوٹی امی کے تھپڑ نے سمجھا دی تھی۔ اس کے بعد اس نے پھر بھی ابی جان کے کمرے میں سونے کی ضد نہیں کی تھی بلکہ وہ اسکول سے آ کر بھی زیادہ وقت

اس کمرے میں ہی گزارنے لگی تھی اور یہ کمرہ اسے بہت برا لگتا تھا۔ پناہ گاہ لگتا تھا اپنی لیکن آج۔۔۔۔۔ اس نے ایک کمری سانس لی۔ اس کمرے میں ایک ٹائماؤس سی ڈی ٹیو تھی۔ شاید کچھ دن بعد یہ کمرہ اتنا اچھی نہ لگے۔ وہ اٹھ کر پھر ٹیو پر آ گئی اور نیلے آسمان پر دور تک پہنچ کر وہاں کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

"تو کب تک رہنے کا پروگرام ہے بچی۔ آجی نے کہا تھا کتنے روز رہنے کی اجازت دی تھی۔" مسز آلاب ملک نے دوسری بار پوچھا تو ان کے سامنے بیٹھی ابی جان نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ ان کے کپڑے سے کرتی ہوئی جانے کس سوچ میں گم تھی کہ ان کی بات دھیان سے نہ ہی نہیں۔

"جی چاچی کیا کہا آپ نے؟"

"کہاں کھوئی ہوئی ہو بیٹیا میں نے پوچھا تھا کب جانے کا پروگرام ہے۔" انہوں نے ڈہرایا۔

"کب۔" اور انہیں کیا پتا کہ مجھے اب بھی نہیں جانا لیکن وہ انہیں یہ نہیں بتا سکتی تھی کم از کم ابھی نہیں۔

"پتا نہیں میرا مطلب ہے ابھی جانے کا تو کوئی پروگرام سیٹ نہیں کیا، کچھ طے نہیں کیا۔" اس نے نظریں جھکا لیں اور بیگم آفتاب نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے تو پھر آجی کا قانون آیا تو میں کہہ دوں گی کہ ابھی ایلا کو کچھ دن رہنے دو کم از کم تب تک جب تک۔۔۔۔۔" قریبی کرسی پر بیٹھے آفتاب ملک نے اخبار سے نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"جی آپ فکر نہ کریں چاچی جی میں ابھی یہاں ہی ہوں۔" کاش وہ یہاں رہ سکتی اس گھر میں ہمیشہ ہمیشہ ان دو مہربان ہستیوں کی شفقت کے سائے میں لیکن۔۔۔۔۔ دل نے ایک سرد آہ بھری تھی۔

یہ دونوں بندے تو محبت کے غمیرے گندھے تھے وہ تو خیر ان کی بہو تھی لیکن اس گھر میں آنے والے سب افراد ہی ان کی محبتوں سے سیراب ہوئے تھے۔ ایاز کی والدہ کو یہاں سب ہی چاچی کہتے تھے۔ نینا عادل بھی

انہیں چاچی کہتی تھی اسے بہت اچھا لگتا تھا اس لفظ میں ایلیا کو بہت اپنائیت محسوس ہوتی تھی اور آئی بہت اوپر اوپر اور ابھی سا لگتا تھا تب اس روز اس نے ان سے پوچھا تھا "آنٹی میں بھی آپ کو چاچی کہہ لیا کروں؟"

"کیوں نہیں جو بیچا ہے بلاؤ۔" وہ خوش دلی سے بولی تھیں اسے یہاں آئے آج آٹھ دن ہو گئے تھے۔ اس نے انگلیوں پر گنا "آٹھ دن اور پتا ہی نہیں چلا جیسے لمحوں میں اڑ گئے تھے یہ آٹھ دن اور وہاں لاہور میں وہ صرف چھ دن رہی تھی اور چھ دن کتنے بوجھل اور مشکل تھے جیسے چھ صدیاں۔ اپنا ہی گھر جہاں اس نے زندگی کے پورے سولہ برس گزارے تھے کتنا اچھی اور پرایا لگنے لگا تھا۔

وہ اگر سارا دن بھی اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی تو کسی کو پروا نہ ہوتی کوئی اسے بلانے نہیں آتا تھا ایک دو روز تو اس نے انتظار کیا تھا کہ شاید کوئی کھانے پرناشتے پر بلانے آئے لیکن پھر خود ہی جانے لگی تھی اگر سب ناشتا کر رہے ہوتے تو وہ بھی شامل ہو جاتی، مگر کچھ ہوتے تو بوا سے کہہ دیتی۔ سب ہی اسے بری طرح اگتور کر رہے تھے اور اسے اب یہاں ہی رہنا تھا ہمیشہ۔ بڑے بھیا چھوٹے بھیا سب ہی مصروف تھے۔ شاید کسی کے پاس اس کے لیے وقت نہیں تھا بس ایک خیرن بوا انہیں اور مونا تھا جو اسے دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اس کا کتنا جی چاہتا تھا کہ وہ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کے پاس بیٹھ کر دیر تک باتیں کرے۔ ابی جان کے پاس بیٹھے لیکن جب کبھی وہ لاؤنچ میں سب کو بیٹھے دیکھ کر وہاں جاتی تو شالی بھائی اور روشی بھائی بھانے سے بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کو اٹھالے جاتیں اور ابی جان تو اس کی طرف دیکھتے ہی نہیں تھے۔ ایک دو بار اس نے خود ہی ان سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کے لہجے میں اتنی سرد مہری تھی کہ اسے دوبارہ ان سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

کیسے گزرے گی اگر ایاز نے اسے طلاق دے دی۔۔۔۔۔ اگر اسے یہاں رہنا پڑا ہمیشہ تو۔۔۔۔۔ اس نے سوچ کر اس کا دل دہل جاتا تھا لیکن بہر حال رہنا تو اسے یہاں



تی تھا۔ کم از کم وہ بوآخرین کو تو بتائی دے کہ ایاز نے اسے ہمیشہ کے لیے بھیج دیا ہے اس نے نینا عادل سے کہا تھا۔

”ایلیا سے کہنا اب وہاں ہی رہے ہمیشہ۔“  
اس روز اسے آئے چھ دن ہو گئے تھے اور اس کے سر میں شدید درد تھا، چین کھڑے کر اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تا کہ ہوا سے کہہ کر چائے بنوائے۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے اپنا نام سن کر وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔  
”شابلی بھابی کے کمرے سے آواز آرہی تھی۔“  
”آخر یہ ایلیا کب تک یہاں رہے گی آپ؟“ یہ گڑیا تھی۔

”پتا نہیں۔“ شابلی بھابی کی آواز میں بیزاری تھی۔  
”اب اسے اپنے سسرال چلے جانا چاہیے، مل تو لی سب سے۔“ گڑیا کی آواز میں ان سے زیادہ بیزاری تھی۔

”مجھ سے نہیں رہا جاتا اس کے ساتھ اتنی غریبی ہے اور اتنی بستی ہے نا آپا دل چاہتا ہے کہ اس کی فضول باتوں پر ایک پھڑکناؤں اسے۔“ مل کہہ رہی تھی مجھے تمہارے یہاں رہنے سے الجھن ہوئی ہے جب تک ایلیا ہے یہاں تم اپنے گھر چلی جاؤ۔“  
”ارے تو وہ کیوں نہیں چلی جاتی۔“ شابلی بھابی ہڑک کر بولی تھیں۔

”وہ کیوں جائے“ آپ نے کمر تو مجھ سے خالی کر دیا ہے لاؤ لی ایلیا کے لیے۔“ گڑیا کے لہجے میں ناراضی تھی اور وہ سن سی کھڑی تھی تو اس کے کمرے میں گڑیا رہتی تھی۔

”چند۔۔۔ تمہارے بھائی نے کہا تھا نا اب کیا میں انکار کر کے بری بنتی شادی سے پہلے ایلیا اسی کمرے میں رہتی تھی چند دن کی بات ہے پھر تو وہ چلی جائے گی نا!“  
شابلی بھابی اسے بہلا رہی تھیں وہ مرے مرے قدموں سے بیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو لی دی لاؤنج خالی پڑا تھا لیکن کے کھلے دروازے سے اسے لیکن ٹھیل کے گرد بیٹھے مونا اور بو انظر آئے۔ بو اب سبزی بنارہی تھیں اور مونا نہ جانے کہاں کہاں کے قصے سنائے جارہا تھا۔

”ہوا۔“ وہ آہستگی سے بچن میں آئی۔

”آؤ بیٹا کیا چاہے۔“  
”چائے مل جائے گی ایک کپ سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“  
”ہاں ہاں“ مونا بجل چائے کا پانی رکھ میں آ کر دم دیتی ہوں اور تو پانی رکھ کر باہر دیکھ ڈرا بیور آ گیا ہے تو آنا منگوا لے۔“  
”ہوا۔“ وہ ان کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

”یہاں سب لوگ مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہیں“  
بو اس نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس کا دل بھرا ہوا تھا اور آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ہوانے چونک کر اسے دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی چھری ٹھیل پر رکھ دی۔  
”تم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے بچی بس اللہ کسی سے اس کی ماں نہ جدا کرے یہ سو تیلہ رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

”مگر بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا تو سوتیلے نہیں اور ابی جان۔۔۔“ آنکھیں چھلک پڑیں تو وہ سر جھکا کر آنسو پونچھنے لگی۔ بو خاموشی اور تاسف سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”اگر مجھے ہمیشہ کے لیے یہاں ہی رہنا پڑ گیا ہوا تو۔۔۔“ اس نے ہوا کی طرف دیکھا۔  
”خدا نہ کرے بچی بھیا ہی بیٹیاں تو اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔“ ہوانے اتر پ کر اسے دیکھا۔  
”کیا بات ہے؟“ بیٹیا کہیں ایاز۔۔۔“ تب ہی ٹھیل ہوئی تو انہوں نے مڑ کر مونا کی طرف دیکھا۔

”جاد کیے شاید ڈرا بیور آ گیا ہے۔“  
”ہاں تو ایاز تو ٹھیک ہے نا بیٹا تمہارے ساتھ۔“  
”اور کیا میں ہوا کو بتا دوں کہ۔۔۔“ وہ سوچنے لگی تب ہی مونا واپس آ گیا۔

”وہ۔۔۔ وہ ملک صاحب آئے ہیں سا بیوال سے۔“  
”اٹکل۔۔۔“ وہ ایک دم آنسو پونچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی پھر اٹکل آفتاب سے مل کر اسے یوں لگا تھا جیسے

برسوں بعد کسی اپنے سے ملی ہو۔

”بہت صبر کیا لیکن اب صبر نہیں ہو رہا تھا تمہاری چاچی تو روز ہی کتنی تھی میری بہو کو لاؤ میں کہتا تھا بھٹے لوگ اسے کچھ دن ایٹوں کے پاس رہنے دے چار سال بعد پکھڑی ملی ہے۔“ اور اٹکل کو گویا پتا یہاں کسی کو اس کو ہو کہ نہیں نہ ہی کوئی چاہ تھی کہ وہ آئے یہاں تو بلکہ اس کے آنے سے۔۔۔ پھر وہ اٹکل کے ساتھ ہی آئی تھی اور یہاں آئے اسے آٹھ دن ہو گئے تھے اور آج رات ہی نینا کا فون آیا تھا۔

”ایلی تم نے بتایا چاچی کو سب۔۔۔؟“  
”نہیں“ پلیر تم بھی مت بتانا۔“ اس نے التجا کی تھی۔ ”چاچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“  
”پاکل ہو تم“ اٹکل کو بتا دو کہ چار سالوں میں ایاز نے۔۔۔

”کیا فائدہ نینا عادل۔۔۔؟“ وہ افسردہ تھی۔  
”اٹکل اس سے باز پرس کر سکتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ کیتھی سے شادی کر لے اور تم۔۔۔“  
”اٹکل کے منع کرنے سے کیا وہ کیتھی سے شادی نہیں کرے گا نینا۔۔۔؟“

”آخر پہلے بھی تو چار سال سے وہ اپنا وعدہ بھار رہا ہے نا۔“

”اسے تم وعدہ بھانا کہتی ہو نینا سب جانتے ہوئے۔ وہ کیتھی کا ہی تھا ہمیشہ سے اور اسی کا رہے گا۔“  
”ایلیا۔۔۔ ایلا دیو تمہاری ساری عمر بڑی ہے کب تک ایسے گزارہ کرو گی۔ ایاز سے چھٹکارا پا کر کسی اچھے بندے سے شادی کر لو۔“

”نینا عادل میرا ایک کام کرو ایاز سے کہو مجھے طلاق نہ دے بھلے کیتھی سے شادی کر لے۔ میں ساری عمر اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی۔ بس اپنے نام کے ساتھ میرا نام جزا رہنے دے۔“

”کیا اس سے محبت کرنے لگی ہو ایلا؟“ نینا عادل نے پوچھا تھا۔

”نہیں“ نینا عادل میرے اور اس کے درمیان وہ تعلق بنا ہی نہیں جس سے محبت جنم لیتی ہے۔ ہم نے تو

چار سال ایک چھت تھے اجنبیوں کی طرح گزارے ہیں۔“

”پھر کیوں چاہتی ہو ایسا؟“  
”میں یہاں اس گھر میں رہنا چاہتی ہوں چاچی اور اٹکل کے ساتھ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔۔۔۔۔۔ نینا وہاں میرے گھر میں میرے لیے پاگل بھی جگہ نہیں ہے۔“ وہ رونے لگی تھی نینا نے اسے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

”اوکے“ پلیر ایلا ریلیکس میں بات کروں گی آجی سے۔“

”اور پتا نہیں ایاز نینا کی بات مانے لگا نہیں۔“  
اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”کیا بات ہے بچی“ کہاں کھوئی ہوئی ہو؟“  
آفتاب ملک نے اخبار نیچے رکھا۔  
”کچھ نہیں اٹکل۔“ وہ چوکی۔

”کہیں تمہیں اتنی جلدی لا کر زیادتی تو نہیں کر دی میں نے تمہاری چاچی نے رولا ڈالا ہوا تھا ورنہ میں تو کچھ اور انتظار کر لیتا۔“

”نہیں تو۔“ وہ شعوری کوشش سے مسکرائی ”میں تو خود چاچی سے ملنے کے لیے بیتاب تھی۔“

”میں تو ہڑک رہی تھی تیرے لیے۔“ چاچی نے اس پر ایک شفقت بھری نظر ڈالی۔ ”طبیعت ٹھیک ہوتی تو اسی روز ایئر پورٹ پر آ جانی مگر خیر اب تم سے مل لی دو چار دن بعد چلی جانا لاہور اور جی بھر کے رہ آنا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔“ اس نے گھبرا کر کہا ”میں ادھر ہی رہوں گی آپ کے پاس سب سے مل چکی ہوں میں۔“  
آفتاب ملک نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

”ہاں ہاں شوق سے رہو تمہارا اپنا گھر ہے۔“  
چاچی کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا۔

”یوں بھی اوپر سے دل سے کہہ رہی تھی ورنہ اس کا بس چلے تو چوبیس گھنٹے تمہیں نظروں کے سامنے رکھے۔“ آفتاب ملک نے قہقہہ لگایا۔

”تو۔۔۔؟“ چاچی نے ایک تکیسی نظر ان پر ڈالی۔  
”میری بہو ہے۔“



”انوکھی ساس ہیں بھئی آپ بہو سے اتنی محبت۔“  
 ”بہو بھی تو مجھ سے محبت کرتی ہے نا!“ انہوں نے  
 مشفق نظروں سے اسے دیکھا اور وہ جو اتنی محبتوں پر بہ  
 مشکل اپنے آنسو ضبط کیے بیٹھی تھی یکدم رو پڑی۔  
 ”ارے ارے کیا ہوا؟“ آفتاب ملک نے گھبرا کر  
 پوچھا۔

”میں ہمیشہ آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ  
 مجھے اپنے سے جد امت کیجئے گا پلیز۔“  
 ”نگلی۔“ چاچی نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ  
 لگا لیا۔

”ہم بھلا کیوں جدا کریں گے تجھے میں نے تو ملک  
 صاحب سے کہا ہے بہت رہ لیا بہت کمالیا آجی نے اب  
 اس سے کہیں یہاں ہی آجائے کوئی فیکٹری لگا دیں اسے  
 جو بھی وہ پسند کرے۔“

”جسے ڈالروں کا چسکا پڑ جائے وہ.....“ ملک  
 صاحب منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر چپ کر گئے اور وہ چاچی  
 کے سینے سے لگی سسکیاں لیتی رہی۔

☆☆☆

”تو..... ایاز ملک بالآخر تم نے کیتھی سے شادی  
 کر لی لیکن اس سارے قصے میں میرا کیا قصور تھا میں  
 نے کس جرم کی سزا بھگتی۔“ کرسی کی پشت سے ٹیک  
 لگائے ایلپا نے سوچا۔

اور قصور کس تھا۔ اسفندیار کا جنہوں نے اچانک  
 ہی اسے بیاہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آفتاب ملک کا جنہوں  
 نے بیٹے کو مجبور کر دیا اس شادی پر یا پھر ایاز ملک کا جو اس  
 زبردستی کے رشتے کو نباہ نہیں سکا۔ قصور جس کا بھی تھا  
 لیکن زیادتی تو اس کے ساتھ ہوئی تھی صرف اس کے  
 ساتھ بند آنکھوں کے پیچھے آنسو بری طرح بہنے کو محلے  
 لیکن وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ضبط کرنے کی  
 کوشش کرتی رہی۔

کل شام کی بات تھی جب وہ چاچی کو گھر لے کر  
 آئے تھے۔ پورے دس دن اسپتال میں رہنے کے بعد  
 اور یہ دس دن کیسے مصروف اور پریشان گزرے تھے۔  
 چاچی کی طبیعت اچانک ہی زیادہ خراب ہو گئی تھی درد بھی

نا قابل برداشت تھا اور کمزوری بھی بڑھتی جا رہی تھی۔  
 تب انکل آفتاب نے بتایا۔

”ڈاکٹر کہتے ہیں آپریشن ہی حل ہے اس کا۔“  
 ”تو پھر آپ آپریشن کیوں نہیں کروا رہے؟“  
 ”تم آگئی تھیں نا۔“ وہ افسردگی سے مسکرائے تھے۔  
 ”تمہاری چاچی کہتی تھیں آتے ہی تم اسپتالوں کے  
 چکر میں پڑ جاؤ گی کچھ دن سکون سے وہ تمہارے ساتھ  
 گزارنا چاہتی تھیں۔“  
 ”کمال کرتے ہیں انکل آپ بھی۔“ وہ ناراض  
 ہوئی تھی۔

”میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں کیا.....؟ اگر آپریشن  
 میں تاخیر سے کچھ مسئلہ بڑھ گیا تو.....“  
 ”نہیں ایسا تو نہیں ہے ہاں تمہاری چاچی کو اتنے  
 دن تکلیف برداشت کرنا پڑی۔“

پھر اگلے چند دن اسپتالوں کے چکر لگتے رہے  
 مختلف ٹیسٹ پھر سے ہوئے اور پھر وہی نتیجہ کہ آپریشن  
 ضروری ہے۔ ملتان میں ایک پرائیوٹ اسپتال کے ایک  
 بڑے آرٹھوپیدک سرجن نے آپریشن کیا۔ وہ دس دن  
 اسپتال میں ان کے پاس ہی رہی انکل آفتاب نے کہا  
 بھی کہ وہ دو تین کے لیے گھر جا کر آرام کر لے اور حویلی  
 سے بتولاں صغراں کوئی بھی آجائے گی لیکن اس نے  
 صاف انکار کر دیا۔

”نہیں انکل پلیز مجھے یہاں ہی رہنے دیں چاچی  
 کے پاس۔“

ڈاکٹر کہتے تھے آپریشن کامیاب ہے لیکن ابھی تو وہ  
 بیڈ پر ہی تھیں ایاز اور نینا کے فون اسپتال میں آتے  
 رہتے تھے لیکن انکل آفتاب سے ہی ان کی بات ہوئی تھی  
 لیکن کل شام نینا نے اس سے بھی بات کی تھی۔

”ایلا.....“ نینا بے حد افسردہ تھی۔ ”ایک ہفتہ قبل  
 ایاز نے کیتھی سے شادی کر لی ہے تم اسپتال میں تھیں  
 میں نے بتایا نہیں۔“

”چلو اچھا ہوا ایاز کا مسئلہ تو حل ہوا۔“ اس نے بے  
 حد نارمل انداز میں کہا تو نینا کو اس کے لہجے کے سکون پر  
 حیرت ہوئی۔



”تم ایلا.....!“

”یہ تو ہونا ہی تھا بلا آخرینہ۔“ اس نے نینا عادل کی بات کا ٹ دی۔

”لیکن پلیز ابھی تم کسی کو مت بتانا ابھی چاچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور میں ابھی یہاں ہی رہنا چاہتی ہوں چاچی کے پاس۔“

”میں نے آجی سے بات کی تھی اس کو اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ تم طلاق کے بعد نئی زندگی شروع کر سکتی ہو اس طرح زندگی برباد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں وہ جیسی کے ساتھ بہت خوش ہے اور ہمیشہ اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے میرا خیال ہے تم طلاق لے لو ایلا۔“

”پلیز نینا ایسا مت کہو میں نے کہا نا مجھے طلاق نہیں چاہیے۔“

”او کے ایلا تم سوچنا ابھی اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو اس موضوع پر پھر بات ہوگی۔“

لیکن اس کے پاس سوچنے کے لیے تھا ہی کیا وہاں ماڈل ٹاؤن کے اس گھر میں اس کے لیے گنجائش نہیں تھی بالکل بھی نہیں اس نے آٹھ دن وہاں رہ کر دیکھ لیا تھا۔ سب کی خواہش تھی کہ وہ جلد چلی جائے زبان سے بے شک کسی نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن زبان سے کہنا کچھ ضروری نہیں تھا سب کے رویتے تارے تھے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور اس کے پاس اس گھر کے علاوہ اور ٹھکانا نہیں تھا اور یہاں ہمیشہ اس گھر میں رہنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ایلا زائے طلاق نہ دے۔ آخر لوگ دو دو شادیاں بھی کر لیتے ہیں میں یہاں رہتی رہوں گی اور.....

”ایلا..... ایلا بیٹی۔“ چاچی نے اسے آواز دی تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

”بیٹی! اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤ میرے پاس صغرا کو بھیج دو وہاں اسپتال میں بھی تم راتوں کو جاگتی رہی ہو اس طرح تو بیمار پڑ جاؤ گی چندا۔“

”آپ فکر نہیں کریں چاچی میں نے دن میں بہت آرام کر لیا تھا ابھی آپ کو دوا کی دے کر میں بھی لیٹ

جاؤں گی اور بیٹی کے ہوتے ہوئے کسی حضرات کی ضرورت نہیں ہے میں نے اپنا بند یہاں ہی لگا لیا ہے۔“ وہ تو پتا ہے بیٹا..... لیکن..... ان کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ ”یہاں ہونے سے ڈسٹرب ہوتی ہو رات کو اس لیے کہہ رہی تھی۔“

”کوئی ڈسٹرب نہیں ہوتی چاچی! اپنی ماں کی خدمت کر کے کوئی ڈسٹرب ہوتا ہے بھلا۔“

”اللہ نے مجھے بیٹی نہیں دی تھی تو مجھے بڑی حسرت تھی لیکن اب تمہاری شکل میں اللہ نے مجھے بیٹی دے دی ہے۔ پتا ہے جب ملک صاحب نے آکر بتایا کہ انہوں نے ایلا کا رشتہ طے کر دیا ہے تمہارے ساتھ تو میں بہت پریشان ہوئی تھی مگر سے گئے تھے تو ایلا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ جب سے ایلا آیا تھا میں ہی کہہ رہی تھی کہ آجی کی شادی کر دیتے ہیں کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر تو وہ ہنس کر نال جاتے تھے۔“

”کیوں پابند کرتی ہو اسے کچھ دن آزاد رہنے دو وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اگلے سال آئے گا تو پھر سوچیں گے۔“

”میں تو حیران رہ گئی رشتہ ہی نہیں وہ تو چند دن میں رخصتی کروانے کی بات کر رہے تھے۔“

”پتا نہیں کیسے مزاج کی ہے..... اور.....“ میں نے دبے دبے لہجے میں کہا تو انہوں نے تسلی دی۔

”بہت اچھی بیٹی ہے اور ایلا بچے جب تمہیں دیکھا تو اللہ کا شکر ادا کیا میرا آجی خوش قسمت ہے ایسی بہو میں تو نصیب والوں کو ملتی ہیں ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔“

اور ایلا ملک کہتا تھا میری بد نصیبی کہ تم میری زندگی میں میری خواہش کے بغیر داخل ہوئی ہو لیکن ایک روز میں اپنی بد نصیبی کو خوش نصیبی میں بدل دوں گا..... اور اب وہ یقیناً جیسی کی ہمراہی میں خود کو خوش نصیب سمجھ رہا ہوگا۔

”خوش نصیب تو میں ہوں کہ آپ کے وجود میں نے ماں کی محبت کو جانا۔“ ایلا کا خیال جسٹک کر اس نے جھک کر چاچی کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ تب ہی آفتاب ملک کمرے میں داخل ہوئے۔

”یہ ماں بیٹی میں کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی؟“

”کچھ نہیں۔“ چاچی مسکرائیں۔

”میں کہہ رہی تھی اگر میری بیٹی ہوتی تو ایلا سے زیادہ میری خدمت نہ کرتی۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ایلا نے محسوس کیا ان کا چہرہ کچھ بجھا بجھا سا تھا وہ ہر روز کی طرح لپٹ لگ رہے تھے۔ اسپتال سے آتے ہوئے جو انکسے اور ٹیٹ ہوئے تھے ان کی رپورٹ آج ملنا تھی کہیں.....

”چاچی کی رپورٹ ملیں؟“

”ہاں ابھی ایک دورہ گئی ہیں۔“ وہ چو گئے۔

”سب ٹھیک ہیں نا.....؟“ اس نے بیٹابی سے پوچھا۔

”ابھی ڈاکٹر کو نہیں دکھائیں باقی بھی مل جائیں تو پھر جاؤں گا دوائیں کھلا دیں؟“ انہوں نے بات مکمل کر کے ساتھ ہی پوچھ لیا۔

”ابھی پندرہ منٹ تک دوں گی۔“

”بیٹا آج تم اپنے کمرے میں سو جاؤ میں ادھر رہوں گا تمہاری چاچی کے کمرے میں اگر ضرورت پڑ گئی تو تمہیں جگا لوں گا بہت جلدی تھکی لگ رہی ہو۔“

انہوں نے بخور اس کی طرف دیکھا۔

”جیس..... نہیں تو ٹھکن تو بالکل بھی نہیں ہے دن کو کوئی تھی میں۔“

”آجی کا فون نہیں آیا تین دنوں سے؟“ چاچی نے پوچھا۔

”آیا تھا آج۔“

”مجھ سے بات نہیں کروائی۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”تم آرام کر رہی تھیں پھر آیا تو کر لیا۔“ ان کا لہجہ کلام سپاٹ تھا۔

”وہ ٹھیک تو ہے نا آئے کا نہیں بتایا چار سال تو ہو گئے اسے یہاں آئے اور ہم سے ملے بھی دو سال ہو گئے ہیں اب تو.....“

”ہاں۔“ وہ چو گئے۔ ”کچھ نہیں کہا آنے کا۔“

”اب فون آیا تو اسے ضرور کہیے گا آنے کا آپ کی

بات تو مانتا ہے پتا نہیں زندگی میں ملاقات نصیب ہوگی یا نہیں مرنے سے پہلے ایک بار اسے دیکھ لوں۔“ ان کی آواز میں نمی گھل گئی تو وہ ہولے سے ان کا ہاتھ چھپتا کر کھڑے ہو گئے۔

”چاچی کو دوا کی دے کر سو جانا تم بھی اگر کوئی پراہم ہو تو جگا لینا مجھے۔“

”جی.....“ اس نے سر ہلا دیا۔

”میں اکوٹی تھی اور سوچتی تھی کہ میرے کم از کم چار بچے تو ضرور ہوں گے لیکن اللہ کی رضا۔“ انکل آفتاب کے جانے کے بعد چاچی ہولے ہولے اس سے باتیں کرنے لگیں۔ ایلا کے بچپن کی باتیں نینا عادل کی باتیں۔ وہ بے دھیانی سے سنتی رہی۔ اگر ایلا نے اسے طلاق دے دی تو..... تو پھر یہاں رہنے کا کیا جواز ہوگا اس کے پاس اور پھر اسے وہاں ہی رہنا پڑے گا ماڈل ٹاؤن والے اس گھر میں اور اپنوں کے درمیان اجنبی بن کر رہنا کس قدر اذیت ناک ہے۔ اس سے تو اچھا تھا وہ وہاں ہی رہتی ایلا کے ساتھ اور اس کی سر دھری اور اجنبیت برداشت کرتی رہتی وہ اذیت اس اذیت سے بہر حال کم تھی۔ وہ تو کبھی بھی اس کا اپنا نہیں تھا شخص ایک کاغذی رشتہ اور یہ جو خون کے رشتے تھے یہ سب کیا تھا اگر وہ اب بھی خاموش رہتی ایلا سے نہ کہتی کہ اسے پاکستان بھیج دے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر چاچی کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

اس نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی دوا کا وقت ہو چکا تھا۔ دوا کھانے کے کچھ ہی دیر بعد وہ سو گئیں تو اس کا دل گھبرانے لگا۔ کیا ہوگا اس کا..... کاش ابی جان ہی اس کا خیال کر لیتے یا پھر بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا یہ تو اس کے اپنے ہی تھے اور بوا خیرن کہتی ہیں ماں نہ رہے تو باپ بھی دوسری بیوی لا کر اولاد کو بھول جاتا ہے ابی جان

کی طرح اور بھائی شادیوں کے بعد پرانے ہو جاتے ہیں بھلا ایسا کیوں ہوتا ہے۔ دل پر بوجھ سا پڑ رہا تھا اس نے ایک نظر سوئی ہوئی چاچی کو دیکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ باہر خاموشی تھی اس نے صحن کے پتوں بیچ کھڑے ہو کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا چودھویں کا

مئی 2007ء



چاند بین اس کے سر پر پوری آب و تاب سے جھنگ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر یونہی بے دھیانی سے چاند کو دیکھتی رہی پھر پیچھے مڑ کر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

اپریل کا انساٹ تھا اور ہلکی خنکی اسے اچھیں لگ رہی تھی۔ دن کو تو موسم کچھ گرم ہو جاتا تھا لیکن رات کے وقت خنکی ہو جاتی تھی۔ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ہوئے اس نے کوئی پندرھویں بار سوچا۔







گی۔“ انوشہ اپنی حیرت چھپا نہیں سکی تھی۔

”ہاں چند روز کے لیے۔“

”اوہ.....“ وہ تھوڑا سا ہنسی ”بے چاری گڑیا کو آپ کا کمر خالی کرنا پڑے گا ویسے ایلیا یہاں آپ کے آنے سے کسی کو خوشی نہیں ہوگی۔“ وہ خطرناک حد تک سچ بولتی تھی۔ یہ بات وہ جانتی تھی لیکن انوشہ کے منہ سے سن کر ایک لمحے کو جیسے اسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔

”آپ شاید برا مان گئی ہیں؟“ انوشہ کو اپنے سچ کی تلخی کا احساس ہو گیا تھا۔

”نہیں“ مجھے معلوم ہے۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”حالانکہ کم از کم ابی جان کو تو خوش ہونا چاہیے نا آپ کے آنے پر اور انہیں آپ کو یاد بھی کرنا چاہیے لیکن پتا نہیں کیوں وہ بھی.....“ انوشہ وضاحت کر رہی تھی وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔

”لیکن میں نے ایک روز آپ کو یاد کیا تھا۔“ وہ شاید اسے خوش کرنا چاہ رہی تھی۔

”جھوٹ نہیں انوش.....!“ اس کے لہجے میں ایک دم ہی اس کے لیے پیارا مل آیا تھا۔

”ریلی ایلیا“ وہ میری فرینڈ ہے ناموی اس نے مجھے اپنی آپ سے ملایا تو تب اس روز میں نے آپ کو یاد کیا تھا اور ناموی کو بھی بتایا تھا آپ کے متعلق.....“

”اچھا“ تھینکس۔“ وہ اتنی سی بات پر ہی خوش ہو گئی تھی۔

او کے“ می آر ہی ہیں آپ چکر لگانا لیکن رہنے کے لیے نہیں آتا“ بے چاری گڑیا.....“ وہ زور سے ہنسی اور اس نے ریسور رکھ دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی تھی۔ یہ انوشہ بھی کتنے مزے سے سب کو ان کے نام لے کر بلاتی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا وہ وہاں رہتی کچھ دن اور اور انوشہ سے دوستی کر لیتی۔ اس کی چھوٹی سی پیاری سی بہن۔

اس روز وہ انوشہ کی باتیں سوچ سوچ کر اس کی اس خطرناک حد تک سچ بولنے والی عادت سے محظوظ ہوتی رہی لیکن چاہنے کے باوجود وہ پھر وہاں فون نہیں کر سکی تھی ضروری تو نہیں تھا کہ انوشہ ہی ریسور کرنی اور

پھر چاچی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہو پار ہی تھی۔ واکر کے ساتھ چلنے کی کوشش ناکام رہی تھی چند قدم چلنے سے درد اتنا شدید ہونے لگتا کہ برداشت سے باہر ہو جاتا تھا آپریشن سے پہلے اگرچہ درد شدید ہی تھا لیکن اتنا شدید ہرگز نہیں تھا۔

”لگتا ہے آپریشن صحیح نہیں ہوا۔“ ایک روز اس نے آفتاب ملک سے کہا۔

”ہاں شاید۔“

”آپ ڈاکٹر سے بات کریں نا!“

”ڈاکٹر ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے میں چاہتا ہوں وہ آجائیں تو انہیں سے چیک کرواؤں۔“

”آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں اکل“ آپ مجھے تو بتائیں نا دوسرے ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟“ وہ کئی دن سے انہیں پریشان دیکھ رہی تھی۔

”نہیں“ کچھ خاص نہیں میں تمہاری چاچی کی دہ سے پریشان نہیں ہوں پتر۔“

”پھر کیوں پریشان ہیں۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بیل پر رکھ دی تھی اور بغور اسے دیکھا تھا۔ وہ اس روز انہیں چائے دینے گئی تھی۔ چاچی سو رہی تھیں اور وہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی تھی۔

”آجی کا فون آیا۔“ اس کے بیٹھے ہی انہوں نے پوچھا۔

”ہاں..... نہیں..... ہاں۔“ اس نے شیشا کر انہیں دیکھا۔

”ایک بات کہو نا!“ ان کے لبوں پر پھینکی سی مسکراہٹ بکھر گئی اس کی نظریں جھک گئیں۔ پتا نہیں لوگ کتنی آسانی سے اور کیسے اتنے بڑے بڑے جھوٹ بول لیتے ہیں۔

”کب آیا تھا؟“ انہوں نے جیسے اس کی مشکل آسان کی۔

”وہ..... دو تین دن ہوئے۔“ اس نے تھوک لگایا۔

”ایلیا بیٹا ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔“ اسے لگا وہ اس اتنے شفیق اتنے معزز شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ نہیں بول سکے گی اس کی نظریں نہ اٹھ سکیں اور لب خشک ہو گئے۔

”ایلیا بیٹا۔“ انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

”مجھے نینا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں یکدم سے پانی بھر آیا اور وہ آنسو روکنے کی کوشش میں نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے بیدردی سے کاٹنے لگی لیکن آفتاب ملک شاید اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

”میں..... میں تم سے شرمندہ ہوں بیٹی۔“

”اس طرح مت کہیں پلینز“ آپ کا کیا قصور شاید میں ہی.....“ اس نے تڑپ کر سر اٹھایا اور پھر آنکھوں میں جمع ہونے والا پانی رخساروں پر بہہ آیا۔

”میں نے سوچا تھا ایاز نے بھی میری بات نہیں مانی۔“ وہ ہولے ہولے بول رہے تھے ”وہ ضرور میرا مان رکھے گا میں نے اس سے پوچھے بغیر اس کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کر دیا تھا۔“

”آپ کو ان سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔“ بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

”ہاں“ عام حالات میں شاید میں ایسا ہی کرتا میں کوئی رواجی قسم کا باپ نہیں تھا کہ اس پر اپنی مرضی مسلط کرتا۔ میں نے ہمیشہ اس کی ہر خواہش پوری کی میں اسے امریکا نہیں بھیجتا چاہتا تھا لیکن اس نے کہا میں نے مان لیا شادی کے معاملے میں بھی میں نے اسے کہہ رکھا تھا کہ وہ جہاں بھی جسے بھی پسند کرے ہم دونوں اس کی خوشی پر خوش ہوں گے لیکن.....“ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی وہ دم سادھے سن رہی تھی رخساروں تک بہہ آنے والے آنسو خود ہی خشک ہو گئے تھے۔

”میں جب لاہور گیا اور اسفند نے بتایا کہ اس نے تمہارا رشتہ زریاب خان سے طے کر دیا ہے جو کہ تمہاری چھوٹی امی کا خالہ زاد بھائی تھا۔ جس کی عمر کم از کم ساٹھ سال تو تھی اور تم صرف سولہ سال کی تو میں ششدر رہ گیا۔“

5



”یہ ظلم ہے اسفندریار۔“ میں حیرت سے باہر آیا تو کہا۔

”تم صرف اسفندریار میرے عزیز دوست کی ہی بیٹی نہ تھیں بلکہ تمہاری امی کو میں نے بہن بنایا تھا اور بہن کی طرح ہی اسے اپنے گھر سے رخصت کیا تھا۔“ ایلیا نے بے حد حیران ہو کر آفتاب ملک کی طرف دیکھا وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ کیا اس کی امی کے بہن بھائی والدین کوئی نہیں تھے۔ اسے اپنے ننھیالی رشتوں کی کوئی خبر نہ تھی۔ ایک بار اس نے بڑے بھیا سے پوچھا تھا جب اپلی جان چھوٹی امی کو بیاہ کر لے آئے تھے اور ایک روز نہ جانے کس بات پر چھوٹی امی نے اسے مارا تھا تب اس نے سوچا تھا آخر اس کے نانا، نانی، ماموں، خالہ کوئی تو ہوگا تو چھوٹی امی کی مار کھانے سے بہتر ہے کہ وہ ان کے گھر چلی جائے اور بڑے بھیا نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

”مجھے تو معلوم نہیں شاید ابی جان کو پتا ہو۔“ اور ابی جان سے پوچھنے کی وہ ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اس نے خود ہی خود دل میں فرض کر لیا تھا کہ اس کی امی جان کے والدین وفات پا چکے ہوں گے اور وہ اکلوتی ہوں گی لیکن آج آفتاب انکل کے منہ سے یہ سن کر کہ انہوں نے اس کی امی کو اپنے گھر سے رخصت کیا تھا وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

”کیا ان کے والدین نہیں تھے؟“

”ہاں، کچھ ایسا ہی تھا۔“ آفتاب ملک اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

”اور بہن بھائی؟“

”کوئی نہیں تھا“ مجھے اس نے منہ بولا بھائی بنا رکھا تھا وہ روزِ محشر مجھ سے ضرور شکوہ کرتی کہ بھائی میری ایلیا پر ظلم ہو رہا تھا اور تم نے کچھ نہیں کیا، تبھی میں نے اسفند سے احتجاج کیا تو اس نے کہا کہ تمہیں ہمدردی ہے ایلیا سے تو تم کر لو اپنے بیٹے سے اس کی شادی۔“

”تو ابی جان نے.....“ وہ آفتاب ملک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں نے آجی سے نہیں پوچھا اور اسفند سے کہہ

دیا ٹھیک ہے، میں ایاز کی شادی ایلیا سے کر لیتا ہوں لیکن پہلے کچھ دیر اپنی بیٹی سے بات کر لوں..... اور یوں.....“

”مجھے بہت مان تھا، مجھے یقین تھا آجی میرا مان رکھے گا..... لیکن خیر۔“ انہوں نے سر جھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔

”اب تم.....“

”میں.....“ وہ چونکی اور اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ خشک آنکھیں لمحوں میں سمندر بن گئیں۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھ ان کے پاؤں پر رکھے۔

”انکل پلزز“ مجھے یہاں سے مت بھیجے گا میں یہاں ہی رہنا چاہتی ہوں آپ کے پاس، چاچی کے پاس ہمیشہ..... پلزز انکل۔“

”کیا کر رہی ہو ایلیا بچے۔“ انہوں نے گھبرا کر اس کے ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹائے۔

”تم یہاں ہی رہو، جب تک دل چاہے ہمیشہ ہمارے پاس کس کی جرأت ہے کہ تمہیں یہاں سے نکالے، تم مالک ہو اس گھر کی اور یہ گھر میں تمہارے ہی نام کر دوں گا، ذرا تمہاری چاچی ٹھیک ہو جائیں اور دیکھو ابھی اپنی چاچی کو کچھ مت بتانا، نہیں تو وہ دل پر لے لے گی۔“ انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا وہ روتے ہوئے یکدم ان کے سینے سے جا لگی۔ وہ ہولے ہولے اسے تھپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ سے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسو بھی صاف کر رہے تھے۔

”اور وہ..... ایاز اس سے تو میں ابھی بات ہی نہیں کر رہا روز ہی فون کرتا ہے میں بات کیے بغیر بند کر دیتا ہوں لیکن تمہاری خاطر میں بات کروں گا اس سے کسی روز کہ اگر اسے ہماری پروا ہے تو وہ تمہیں بھی وہی حقوق دے جو اس گوری میم کو دے رہا ہے، چلو شادی کر لی ہے اس نے لیکن تم بھی اس کی بیوی ہو، دوسری صورت میں زندگی بھر ہماری شکل نہ دیکھے بلکہ ہمارے جنازے پر بھی نہ آئے۔“

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں



## ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”وہ نہیں انگل..... پلیز نہیں، میں ایسے ہی خوش ہوں آپ کے سائے میں آپ کے پاس بس اب مجھے خود سے جدا مت کریں۔ اور میرے لیے ایاز سے ناراض نہ ہوں وہ آپ کا ایک ہی بیٹا ہے..... چاہی تو ان کے بغیر..... اور پتا ہے چاہی ان کو اتنا یاد کرتی ہیں، اتنی اداس ہیں ان کے لیے.....“ وہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتی ہوئی ان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

”تم بہت اچھی ہو ایلیا، وہ کمبخت تمہارے جیسی اچھی لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ پچھتائے گا بہت پچھتائے گا وہ.....“ وہ ہولے ہولے کہہ رہے تھے۔

”انگل پلیز، ایسا نہ کہیں، میرا اپنا نصیب..... ان کا کیا قصور وہ تو بہت پہلے سے بیٹی کو پسند کرتے تھے۔ نینا نے مجھے بتایا تھا میں تو زبردستی.....“

”اچھا اچھا۔“ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر تھپتھپایا۔ ”اب رونے والی بات نہیں ہوگی۔ یہ



جائے تو ہوئی ٹھنڈی اب اچھی سی چائے بنا کر لاؤ، اپنے لیے بھی لانا۔ دونوں باپ بیٹی بیٹھیں گے اور باتیں کریں گے۔“

”انگل، آپ مجھے میری امی کے متعلق بتائیے گا۔ مجھے آج تک کبھی کسی نے ان کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ اس نے آنکھیں پونچھ لی تھیں۔

”تمہاری امی بہت اچھی تھیں بالکل تمہارے جیسی، سادہ دل اور معصوم سی، مخلص، محبت کرنے والی اور بہت خوبصورت.....“ اس کی آنکھوں سے جھلکتے اشتیاق کو

دیکھ کر وہ ہولے سے مسکرائے۔

”پہلے چائے باقی باتیں پھر۔“

اور پھر اس روز کے بعد وہ اکثر ہی ان سے کرید کرید کرامی کی باتیں پوچھتی رہتی تھی۔ ان گزرے دنوں میں اس نے ماڈل ہاؤس کے گھر میں گزرے شب و روز بھی ان سے شیئر کیے تھے۔

”اس گھر میں میری جگہ نہیں ہے انگل، وہاں کسی کو میری چاہ نہیں، ابلی جان کو بھی میرا خیال نہیں۔“

”ہاں، اسفند بہت بدل گیا ہے حالانکہ اسے





تمہاری امی سے عشق تھا اور تمہارا تو دیوانہ تھا۔ وہ جس روز تم پیدا ہوئی تھیں تو اتنا خوش تھا کہ اس نے نوکرے بھر کر مٹھائی اسپتال میں تقسیم کی تھی اور مجھ سے کہتا تھا ”یار آفتاب، میرے گھر میں پری اتری ہے۔ میری اور شمرین کی محبت کی نشانی۔“ آفتاب ملک اس کا دکھ بھگتے تھے۔

”تمہاری چاچی ٹھیک ہو جائیں تو پھر تم کالج میں ایڈمیشن لے لیتا۔ یہاں کسی پرائیویٹ کالج میں، پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا۔ تمہاری امی کو اپنی تعلیم ادھوری رہ جانے کا دکھ تھا وہ تمہیں اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتی تھیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹر کرنا اس کا خواب تھا اور اب یہ خواب تم پورا کرنا۔ بی اے کرو تو تمہیں پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ دلوا دوں گا۔“

وہ مستقبل کے خواب بننے رہتے تھے۔ اس کے دل سے بہت سا بوجھ اتر گیا تھا۔ ہر لمحے جو ایک خوف سا اسے گھیرے رکھتا تھا وہ اس خوف سے نکل آئی تھی۔

”میں آجی سے بات کروں گا۔ اگر وہ تمہیں کیتھی کے برابر حقوق نہ دے سکا تو پھر میں اسے کہوں گا کہ وہ تمہیں طلاق دے دے پھر میں اپنی بیٹی کی خود شادی کروں گا، کسی بہت اچھے لڑکے سے۔“

”نہیں انکل، پلیز نہیں۔“

”اچھا خیر، اس موضوع پر پھر بات ہوگی پہلے تمہاری تعلیم۔“ وہ ہولے سے ہنس دے۔

وہ جانتی تھی کہ ایاز کبھی بھی اسے کیتھی کے برابر حقوق نہیں دے سکتا اور ایاز کو اس کی ذرا بھی چاہ نہیں ہے لیکن ابھی وہ آفتاب ملک کو اس غلط فہمی سے نکالنا نہیں چاہتی تھی۔ خود وہ بہت پرسکون تھی۔ آفتاب ملک نے ادھوری تعلیم مکمل کرنے کا جو تصور اسے دیا تھا اسی میں کھوئی رہتی تھی کہ اچانک ہی چاچی کی تکلیف بڑھ گئی۔ اب تو ان کے لیے بیٹھنا بھی محال ہو گیا تھا۔ لینے میں بھی دردنا قابل برداشت تھا۔ آفتاب ملک نے پریشان ہو کر کئی ڈاکٹروں کو دکھا ڈالا۔ دو تین دفعہ لاہور بھی لے گئے اور جب احباب نے مشورہ دیا کہ وہ اب کی بار یہاں آپریشن کروانے کے بجائے لندن یا امریکا میں جا کر آپریشن کروائیں تو جیسے ان کے دل کو بھی یہ بات لگ

گئی۔

ڈاکٹر پھر آپریشن کا کہہ رہے تھے اور ان کا دل ڈر رہا تھا کہ کہیں اس بار آپریشن سے وہ اٹھنے کے قابل بھی نہ رہیں۔ یکدم ہی یہاں سے ان کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اگرچہ لاہور کے ایک دوست نے انہیں لاہور آ کر آپریشن کروانے کا مشورہ دیا لیکن وہ امریکا جانے کی تیاری کرنے لگے تھے۔ نینا سے سن کر ایاز نے فون کیا۔

”آئی ایم سوری بابا لیکن۔۔۔۔۔“

”میں اس موضوع پر فی الحال تم سے بات نہیں کرنا چاہتا، تم نے جس مقصد کے لیے فون کیا ہے وہ بات کرو۔“ انہوں نے ڈانٹ دیا تو ایاز نے بھی ڈائریکٹ بات کی۔

”نینا آپ نے بتایا کہ اماں کا دوبارہ آپریشن ہونا ہے اور آپ شاید لندن۔۔۔۔۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ آفتاب ملک سنجیدہ تھے۔“

”تو میں انتظام کرتا ہوں آپ رپورٹس بھجوا دیں مجھے ڈاکٹر زکو دکھا کر ٹائم لے لیتا ہوں۔ یہاں نینا ہے میں ہوں کیتھی ہے اور۔۔۔۔۔“

”ایاز مجھے۔۔۔۔۔“

”پلیز بابا، ایک لڑکی کے لیے مجھے اگنور مت کریں۔ وہ میری ماں ہیں میرا فرض ہے اور حق ہے ان کا مجھ پر۔“

”تم حقوق اور فرائض کی بات مت کرو میرے ساتھ ایاز۔۔۔۔۔ ہاں، وہ تمہاری ماں ہے، میں سوچوں گا کہ کہاں لے جانا بہتر ہوگا۔“

”پلیز انکل“ انہوں نے فون بند کیا تو ایلیا نے التجا ”آپ چاچی کو لے جائیں پلیز امریکا شاید وہاں۔۔۔۔۔ ان کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی مجھ سے۔“

ان دنوں وہ خود کو بھولی ہوئی تھی۔ چاچی کی تکلیف پر ان سے زیادہ روتی تھی۔ وہ کچھ دیر بغور اسے دیکھتے رہے اور پھر جیسے ڈھسے گئے۔

”ہاں، تمہاری چاچی بہت تکلیف میں ہے۔۔۔۔۔“

”اور ایاز بیٹا ہے ان کا کوئی غیر تو نہیں۔“ وہ اس شخص

کو کالت کر رہی تھی جس نے ایک روز بھی اسے اپنے ہونے کا مان نہیں دیا تھا۔

اور پھر سب انتظام ہوتے چلے گئے اس نے ایک روز بھی اپنے لیے نہیں سوچا کہ اس کا کیا ہوگا۔

”میں نے اسفند کوفون کر دیا ہے وہ تمہیں آ کر لے جائے گا۔“

”مجھے۔۔۔۔۔!“ وہ حیران ہوئی۔

”ہاں، ہمارے جانے کے بعد تم یہاں اکیلے کیے رہو گی، بیٹا۔“

”لیکن وہ صغراں تو ہے نا اور دوسرے ملازم بھی۔۔۔۔۔“

”میں مناسب نہیں سمجھتا۔“ آفتاب ملک سنجیدہ تھے۔

”ہمارے آنے تک تم لاہور میں رہنا اور اپنی چاچی کے لیے ڈھیر ساری دعائیں کرنا۔ واپس آتے ہی میں تمہیں لاہور سے لے آؤں گا اور پھر ہم اپنے پاپان پر کام شروع کر دیں گے۔“ انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس وقت چاچی کے بیڈ کے پاس کرسی ڈالے بیٹھے تھے اور ایلیا ان کے بیڈ پر بیٹھی ان کی ٹانگیں دبا رہی تھی کہ انہوں نے آنکھیں کھول کر ملک آفتاب کی طرف دیکھا۔

”ایلیا ہمارے ساتھ نہیں جا رہی کیا؟“

”ہاں۔۔۔۔۔“ آفتاب ملک چونکے ان کا خیال تھا کہ وہ سو رہی ہیں۔

”کیوں۔۔۔۔۔“

”وہ۔۔۔۔۔ ایلیا ابھی یہاں رہنا چاہتی ہے اور ہمارا بھی کب دل بھرا ہے اور وہاں تمہارے صاحبزادے نے اسے پھر واپس نہیں آنے دینا۔ کہے گا اتنا خرچ دوبارہ۔“ وہ زبردستی مسکرائے۔

”لیکن میں ایلا کے بغیر آپریشن نہیں کرواؤں گی، مجھے کسی گوری نرس سے خدمت نہیں کروانی۔“ وہ روٹھی روٹھی سی بولیں۔

”کیوں، نینا کیا تمہاری بیٹی نہیں ہے وہ بھی ہے وہاں۔“

”لیکن ملک صاحب آپ اتنے کنجوس کب سے



ہو گئے، ایلا کے آنے جانے کا ٹکٹ آپ دیجیے گا اپنی جیب سے پھر تو آجی کو اعتراض نہیں ہوگا نا؟  
”ہاں لیکن۔۔۔“

انہوں نے ایلا کی طرف دیکھ کر سر کھجایا جو سر جھکائے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

”بس، تجھے معلوم نہیں تھا کہ ملک آفتاب کا دل اتنا چھوٹا ہو گیا ہے۔ میرا ست لڑا اچ دیں، اتنی رقم تو ہو جائے گی نا کہ آنے جانے کا ٹکٹ مل جائے ایلا کا۔“ وہ بدستور ناراض ناراض لہجے میں بولیں تو ایلا کے لیے اپنے آنسو روکنے مشکل ہو گئے۔ کاش، وہ وہاں جا سکتی چاہتی کے ساتھ۔ وہ دنیا کے پاس رہ لیتی لیکن ایلا نے دنیا کے قریب اسے کھلوایا تھا کہ وہ ہرگز امریکا نہ آئے کہیں پایا جان مارے محبت کے اسے بھی ساتھ نہ لے آئیں کتنی اسی سے بالکل بھی برداشت نہیں کرے گی اور میں نے کتنی کو بتایا ہے کہ اسے میں نے طلاق دے دی ہے۔ اس لیے ایلا کو سمجھا دینا اگر وہ آئی تو میں فوراً ہی اسے طلاق دے دوں گا۔ دنیا ایلا کو کیا سمجھاتی اس نے ساری بات آفتاب ملک کو بھی بتا دی تھی اور ایلا کو بھی۔  
”بات صرف یہ نہیں ہے ملک صاحب۔“ وہ بات کو مزاح کا رنگ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

”وہ جو اسفند ہے تا میرا یار، اس کا بھی حق ہے نا ایلا پر۔ بے چارہ تمہاری وجہ سے چپ ہو گیا تھا ورنہ چار سال بعد بھی وطن آئے اور صرف چھ دن رہ کر آ جاتے تو بس میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ جتنے دن ہم امریکا رہیں گے ایلا ان کے ان کے پاس رہے گی اور یہاں آتے ہی اگلے روز میں اسے لے آؤں گا اور پھر سال بھر جانے نہیں دوں گا۔“

”سال بھر کیوں۔۔۔“ وہ مزید ناراض ہوئیں۔  
”بس ہمارے آنے کے دو تین ماہ بعد آجی کے پاس بھیج دوں گی اسے۔ میرا بیٹا وہاں اکیلا رہے اور ہم یہاں بیٹی سے خدمت کرواتے رہیں۔“ ایلا کو لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ یکدم اُچی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔  
چاچی حیرانی سے اسے باہر جانا دیکھ رہی تھی۔  
”یہ۔۔۔ اسے کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں، بس تمہارے جانے سے پریشان ہے نا، نہ باپ کو ناراض کر سکتی ہے اور نہ جھپٹ۔“  
”لو، میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔ بلائیں اسے دنیا ہے نا وہاں اور پھر آپ نے کہا تھا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو ماہ تک آ جائیں گے۔“

دروازے کے پاس کھڑے کھڑے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔۔۔۔۔ اور ڈیڑھ دو ماہ کتنے مشکل ہوں گے اس کے لیے۔ وہاں ان سب کے بیچ نہ رو توں کے درمیان رہتے ہوئے لیکن اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ لڑکیاں میسے جانے کا سن کر کتنی خوش ہوتی ہیں لیکن وہ اداس تھی۔ ہاں، ایک ذرا سی رشت خوشی کی اس کے اندر ضرور اٹھی تھی جب اس نے سنا تھا کہ اسفند یار اسے لینے آ رہے ہیں۔

”ابی جان سے وہ راستے میں بہت ساری باتیں کرے گی اور ان سے ان کے رویتے کا ٹکٹ بھی کرے گی۔ اب وہ تمہیں بھی نہیں ہے کہ چھوٹی امی کی بری بھلی سن کر چھپ کر رو لے اور ابی جان سے کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ وہ ان سے یہ بھی کہے گی کہ آخر انہوں نے اسے اتنی جلدی گھر سے کیوں رخصت کر دیا تھا۔“ ابی جان کے آنے کے خیال سے وقتی طور پر اس کا دل بہل گیا تھا لیکن ابی جان کے بجائے مونا کو دیکھ کر اسے ایک لمحے کو رونا سا آ گیا تھا۔ ”کیا تھا اگر ابی جان آ جاتے تو۔۔۔۔۔“ آفتاب ملک نے اسے کتنا دلاسا دیا تھا۔

”اسفند آیا تو میں اس کے کان بھینچوں گا۔ یاد دلاؤں گا کہ تم اسی شرمین کی بیٹی ہو جو بھی تمہاری زندگی تھی۔“ لیکن اسفند کی جگہ مونا کو دیکھ کر انہیں بھی حیرانی ہوئی تھی۔

”اسفند نے تو کہا تھا کہ وہ خود آئے گا۔“  
”بڑے صاحب کو ضروری کام سے اسلام آباد جانا پڑ گیا تھا اس لیے انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔“  
”ایسا کیا ضروری کام تھا؟“ انہیں فصد آ رہا تھا۔  
”وہ جی بیگم صاحبہ کا کوئی کام تھا۔“  
”جانتا ہوں، جانتا ہوں۔“ وہ بہت غصے میں تھے۔  
”میں خود چھوڑ آتا ہوں، ایلا تم تیار ہو جاؤ۔“

”انگل میں چلی جاؤں گی مونا کے ساتھ، آپ کی کل فلاحیت ہے۔“

”میں جھپٹ چھوڑ کر رات کو ہی لوٹ آؤں گا۔“  
”نہیں، پلیز انگل یہاں چاچی اکیلی ہوں گی۔“  
اس نے بمشکل ان کا غصہ ٹھنڈا کیا تھا اور پھر۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔ لاہور آ گئی تھی اسفند ہی۔

”اپنی چاچی کے لیے بہت دعا کرنا۔“ آفتاب ملک نے اسے خدا حافظ کہتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں پھٹک پڑیں۔

”رونا بالکل نہیں۔۔۔۔۔ اور یہ بھی مت بھولنا کہ تم صرف میری بیٹی ہو۔ اپنے لیے ذرا بھی پریشان نہ ہونا اور نہ سوچنا۔ میں ہوں نا تمہارے لیے سوچنے اور پریشان ہونے کو۔۔۔۔۔“ اس کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے بتولاں کو بھی زبردستی اس کے ساتھ بھیجا تھا۔  
”میں کوچ میں مونا کے ساتھ چلی جاؤں گی انگل، گاڑی اور ڈرائیور کی کسی وقت بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔“  
”نہیں، ہرگز نہیں اگر اسفند کو اپنی بیٹی کا خیال نہیں تو مجھے تو اپنی بہو کا خیال ہے نا، چوہدری آفتاب ملک کی بہو ایک ملازم کے ساتھ کوچ میں سفر نہیں کرے گی بس اور مزید کچھ مت کہنا۔“ ایلا سوائے آنسو بہانے کے اور کہہ بھی کیا سکتی تھی۔

☆☆☆

”لو اگر اپنی سسرالی گاڑی میں ہی ایک حد ملازمہ کے ساتھ چوہدرانی بن کر آتا تھا تو پھر مونا کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے کام رہ گئے، دعوت کیمنٹل کرنا پڑی۔“ چھوٹی امی جو اس وقت لان میں ہی موجود تھیں اسے گاڑی اور بتولاں کے ساتھ دیکھ کر چپ نہ رہ سکی تھیں اور ایلا کو کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے۔

”اچھا بی بی، ہم چلتے ہیں۔“ بتولاں نے کہا تو وہ چھوٹی امی کے اس استقبالیہ جیلے پر حیران سی گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی، چونکی۔

”نہیں، نہیں تمہارا پیسٹ کر لو گھنٹا بھر اور چائے وغیرہ پی لو۔“ اس نے ایک جی نظر مونا پر ڈالی۔

”ہاں، ہاں میں بوا سے کہتا ہوں چائے بنانے

کو۔“ مونا چھوٹی امی کے مزاج سے واقف تھا اس لیے آہستہ سے کہتا ہوا تیزی سے پیچھے سے ہوتا ہوا غالباً بکن کے پچھلے دروازے سے اندر چلا گیا۔

”کیا حال ہے اب تمہاری ساس کا، یہاں علاج نہیں تھا جو امریکا جا رہی ہیں۔“

”جی، پہلا آپریشن یہاں ہی کر دیا تھا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا تھا۔“ چھوٹی امی کے سوال پر وہ ذرا سی حیران ہوئی اور پھر اس ذرا سے التفات پر خوش ہو گئی۔

”کب تک واپسی ہے؟“ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

”ڈیڑھ دو مہینے تک خیال ہے، ممکن ہے پہلے ہی آ جائیں۔“

”دی لاؤنچ میں قدم رکھتے ہی اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک طرف کارپٹ پر انوش اور بدر بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔ انہوں نے سڑک اس کی طرف دیکھا اور وہیں سے ہاتھ ہلا کر کھیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”آہا ہا میرا چھکا۔۔۔۔۔“ بدر اچھلا۔ وہ مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھی۔ بتولاں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

”یہ کون ہے۔“ انوش نے گوٹ اپنے خانے میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ بتولاں ہے میرے ساتھ آئی ہے۔“  
”یہ بھی یہاں رہے گی۔“ انوش کی آنکھوں میں حیرت اتری۔

”نہیں، ابھی چلی جائے گی۔ انگل نے ساتھ بھیجا ہے۔“

”کیوں، آپ کو اکیلے ڈر لگتا تھا مونا تو تھا نا آپ کے ساتھ۔“ بدر نے پوچھا۔

وہ دونوں کھیل چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور بتولاں کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہے تھے جس کے کانوں میں نہ جانے کتنے سوراخ تھے اور ہر سوراخ میں مندریاں لیکن رنگی تھیں اس نے۔ کیلٹ کے بڑے بڑے بالے سے تھے۔ چھوٹی امی کو شاید اچھا نہیں لگ رہا تھا، انہوں نے اسے ٹوک دیا۔

”بدر، بہت کھیل لیے، اب بیٹو یہ لڈو اور انوش تم



نے بال کنوا نے جانا تھا آج شابی کے ساتھ۔۔۔ اس سے پوچھو جا کر کہا سے پارلر جانے ہے یا نہیں۔۔۔  
 "نہیں۔۔۔" انوش نے کوئیں سمیٹ کر ڈبے میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔  
 "شابی بھائی پارلر میں جا رہی ہیں۔"  
 "کیوں، صبح تو کہہ رہی تھی کہ میں شام کو جاؤں گی تو نوشی کو لے جاؤں گی۔"  
 "ہاں تو صبح اگر آپ مجھے ساتھ لے کر چلی جاتیں تو وہ شاپنگ کے لیے کیا کسی پر جاتیں، گاڑی چاہیے تھی انہیں۔"  
 "آف، کس قدر مکار ہیں تمہاری یہ بھابھیاں۔" وہ بڑبڑا کر اٹھیں۔  
 "ابی جان کب آئیں گے اسلام آباد سے۔"  
 انوش منہ نیچے کر کے ہنسنے لگی۔  
 "آجائیں گے۔" چھوٹی امی اسے جواب دے کر کمرے میں چلی گئیں تو وہ انوش کو ہنسنے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس کا بیک بتولاں نے اس کے پاس ہی کارپٹ پر رکھ دیا تھا۔  
 "یہ بیک کہاں رکھنا ہے بی بی؟" بتولاں نے پوچھا تو وہ چونکی۔  
 "میں رکھوا لوں گی تم چائے ہو۔" مونائزے میں چائے رکھ کر لارہا تھا ساتھ میں کچھ کیک بھی تھے۔  
 "ڈرائیور کو چائے بھجوا دی ہے۔" اس نے ٹرے بتولاں کے سامنے رکھی۔  
 "یو ا کہاں ہیں؟"  
 "روشنی بھابی کے ساتھ گئی ہیں کہیں۔" انوش نے جواب دیا۔  
 "ابھی تک ملنے نہیں آئی تھیں۔ بتولاں چائے پی کر اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 "اب چلوں بی بی۔"  
 "ہاں، ٹھیک ہے جاؤ تم چائی اور انکل کو میری طرف سے آداب کہنا۔" بتولاں کو رخصت کر کے اس نے انوش کی طرف دیکھا جو چپکے چپکے جانے بدر کے کان میں کیا کہہ رہی تھی۔

"انوش، ادھر آؤ گڑیا، میرے پاس آ کر بیٹھو۔" انوش نے بدر کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اس کے پاس آ گئی جبکہ بدر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارے کر رہا تھا اور وہ اس کے اشاروں سے انجان بیٹھنے ہوئے ایلیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔  
 "کیا، وہاں سا بیواں میں انکل آفتاب کی حویلی ایسی ہے جیسی ڈراموں میں دکھاتے ہیں۔"  
 "نہیں تو۔" وہ مسکرائی۔  
 "لیکن یہ جو نوکرانی ساتھ آئی تھی یہ تو بالکل ایسی تھی جیسی چوہدریوں کی حویلیوں میں ہوتی ہیں۔" ڈراموں میں۔  
 "ہاں یہ تو ہے لیکن انکل آفتاب اور چائی بالکل ایسے نہیں ہیں روایتی جاگیردار۔ وہ تو بہت محبت کرنے والے ہیں۔ اچھا تاؤ، کیا گڑیا مجھے میرے کمرے میں رہنے دے گی۔"  
 "ہاں۔" وہ ٹھٹھکا کر ہنسی۔ "آپ کا کمرہ تو کل ہی خالی کر دیا تھا گڑیا نے۔"  
 "موڈ تو خراب ہوگا لیکن میں ڈیڑھ دو ماہ ہی رہوں گی پھر تو واپس چلی جاؤں گی۔"  
 "ہاں، ڈیڑھ نے بتایا تھا اور انہوں نے ہی کہا تھا شابی بھابی سے کہ وہ گڑیا کا سامان اس کے کمرے میں رکھ دیں۔"  
 "تو پھر میں اپنے کمرے میں جا سکتی ہوں۔"  
 "ہاں۔" اس نے سر ہلایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 "موننا، میرا بیک میرے کمرے میں رکھ دو۔"  
 اسے اب یہاں رہنا تھا کچھ عرصہ تو بہادر بننا تھا انکل آفتاب نے کہا تھا۔  
 "بنا تمہارا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا، تمہیں ڈر کر اور شرمندہ ہو کر رہنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تمہارے باپ کا گھر ہے سر اٹھا کر رہنا ہے تمہیں۔" وہ بے حد محسن محسوس کر رہی تھی اور کچھ دیر ایسا چاہتی تھی۔ پچھلی کئی راتوں سے وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی تھی۔ اس گھر سے یہاں آنے کا خیال ہی

۴۰ ہاں روح تھا پھر چائی بار بار رونے لگی تھی۔  
 "پتا نہیں میں زندہ بچوں گی یا نہیں۔ ایلیا میرے اہل اپنے انکل کا اور آئی کا بہت خیال رکھنا۔ دونوں ہی بہت بے پروا ہیں۔" چائی کی باتیں اسے رلاتی بھی تھیں اور جنگاتی بھی تھیں۔ موننا کے پیچھے پیچھے سڑکیاں چڑھتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں چائی کی صحت و زندگی کی دعا کی۔ اوپر لاؤنج خالی تھا اور کمروں کے دروازے بند تھے۔ گڑیا اور اس کے کمرے سے موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ روشنی بھابی کے کمرے میں اندھیرا تھا جبکہ شابی بھابی کے کمرے سے روشنی باہر آرہی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کو رک کر سب کے کمروں کے بند دروازے دیکھے اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مالوس لیکن اتنی درود پوار موننا نے بیک ایک طرف رکھ دیا۔  
 "چائے دے جاؤں۔"  
 "نہیں۔"  
 "وہ۔۔۔" موننا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور رازداری کے سے انداز میں سرگوشتی کی۔  
 "وہ۔۔۔ بڑے صاحب اسلام آباد نہیں گئے یہاں ہی ہیں بس بیگم صاحبہ نے منع کر دیا تھا انہیں جانے کو۔"  
 اس نے سپاٹ سے انداز میں سر ہلادیا۔ انوش کی ہنسی سے وہ کھٹک گئی تھی اس لیے موننا کی بات پر اسے کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی آنکھوں میں کنکریاں سی جھینے لگی تھیں۔ اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ گرم گرم آنسو آنکھوں کے کونوں سے باہر نکل کر تکیے بھگونے لگے۔  
 ☆☆☆  
 "ارے، آپ تو بالکل ویسی ہی ہیں جیسی آج سے چار سال پہلے تھیں۔" وہ لان کے مشرقی کونے میں مصنوعی پہاڑی کے پاس کرسی رکھے پیٹھی بے دھیانی میں پہاڑی پر پڑے پتھروں کے درمیان مٹی پلانٹ کے چوں کو دیکھ رہی تھی کہ اس کے سامنے آ کر کسی نے حیرت بھری خوشی سے کہا تو اس نے چونک کر سر اٹھا لیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم پہلی نظر میں وہ اسے پہچان نہیں پاتی تھی۔  
 ماہنامہ پاکیزہ

"میں آرب مصطفیٰ ہوں۔" اس نے خود ہی تعارف کر دیا۔  
 "اوہ۔۔۔ بی بی امی کے بھائی۔۔۔" اس نے آہستگی سے جیسے اپنے آپ سے کہا۔  
 "ہاں۔۔۔" اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بے تحاشا چمک، اس نے نظریں جھکا لیں۔  
 "سنا تھا آپ آئی ہیں، میں آیا تو آپ جا چکی تھیں۔"  
 "جی۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔  
 "آج میں آیا تو مجھے گمان تک نہیں تھا کہ آپ سے ملاقات ہوگی۔ کیسی ہیں آپ، کب تک رہیں گی؟"  
 "ابھی ہوں اور ابھی کچھ عرصہ یہیں ہوں۔"  
 "اوہ گڈ پھر تو آپ سے ملاقات رہے گی۔ میں ہفتے بھر کی پچھٹی پر آیا ہوں رات ہی لیکن آپ نے ذکر نہیں کیا کہ آپ بھی ہیں۔" وہ کیا کہتی خاموش ہی رہی۔  
 آج اتوار تھا سب سو رہے تھے اس کی ہمیشہ سے سو رہے اٹھنے کی عادت تھی۔ نماز پڑھ کر اس نے کوشش کی تھی کہ نیند آ جائے لیکن نیند نہیں آرہی تھی اس لیے وہ نیچے لان میں آ گئی تھی۔  
 "آپ بھی غالباً میری طرح سحر خیز ہیں۔" وہ دہری کھینچ کا اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا لیکن پھر فوراً ہی کسی خیال کے آتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑے کھڑے ایک اچلتی سی نظر اس پر ڈالی۔  
 "آپ خوش تو ہیں، اپنی نئی زندگی میں۔"  
 "جی۔ چار سال پہلے اس کی آرب مصطفیٰ سے اتنی بے تکلفی ہرگز نہیں تھی کہ وہ اس سے اس طرح کے ذاتی سوال کرتا۔  
 "آپ جانتی ہیں، ابی گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ کیا ابھی آپ نے بھی مجھے یاد کیا؟" وہ خاموش ہی رہی۔  
 اس نے تو شاید ان چار سالوں میں ایک بار بھی آرب کو یاد نہیں کیا تھا۔ سب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے آرب کا خیال آیا بھی تھا تو بس یونہی لمحہ بھر



کے لیے۔

”میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا ہوگا۔“ وہ ہولے سے ہنسا۔ ”شاید میں بھی آپ کو کبھی یاد نہ کرتا اگر.....“ پھر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”آپ صبح کی ہوا سے لطف اٹھائے میں چلا جا چنگ کرنے کے لیے پارک میں۔“ وہ ہاتھ ہلاتا ہوا باہر چلا گیا اور وہ اس کے نامکمل جیلے کو مکمل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور سوچتی رہی کہ آرب مصطفیٰ پہلے کے مقابلے میں خاصا مہذب اور ڈینٹ ہو گیا ہے اور اس کی شخصیت میں بھی بلا کی کشش پیدا ہو گئی ہے۔ دہلا پٹلا ہائیں سالسا آرب مصطفیٰ اب جسم بھر جانے کے بعد پہلے سے کتنا مختلف لگ رہا تھا اور کتنی اپنائیت سے بات کر رہا تھا کیا چھوٹی امی نے اسے منع نہیں کیا کہ مجھ سے بات نہ کرے۔ شاید خیال نہ رہا ہو لیکن اب یقیناً آج منع کر دیں گی۔ ایک سخی مسکراہٹ اس کے لبوں پر لکھ بھر کو نمودار ہو کر غائب ہو گئی۔

☆☆☆

چند روز گزر گئے تھے، جون شروع ہو گیا تھا اور لاہور کی گرمی..... لمبی دوپہریں تھما اپنے کمرے میں چپ چاپ گزارتا۔ کتنا ہی چاہتا تھا کہ اور نہیں تو انوشہ ہی اس کے پاس بیٹھا کرے اور وہ اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرے۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی اور اس کی سچ بولنے کی عادت بہت پسند تھی اسے۔

”سوری، ایلیا، ماما کو پسند نہیں کہ میں آپ کے پاس بیٹھوں۔“ ایک بار اس نے انوشہ کو اپنے کمرے میں بلا یا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

”مجھے خواتن و ماما کی ڈانٹ سننے کا شوق نہیں ہے اور یہ بدر ایک نمبر کا چٹل خور ہے فوراً ماما سے جا کر جڑ دے گا کہ انوشہ، ایلیا کے پاس بیٹھی تھی۔ ماما بالکل سنڈر بلا کی سوتیلی ماما جیسی ہیں۔“ اس نے بے لاگ تبصرہ کیا تھا۔ اس کے آخری جیلے پر اسے ہنسی آئی تھی۔ وہ انوشہ کو اپنے لیے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی اس لیے اس نے اسے مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔

شابی بھابی اور روشی بھابی کا موڈ ہوتا تو کبھی دو چار

باتیں کر لیتیں ورنہ انور کر دیتیں۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کھانے کی میز پر ملنے تو ”بیلو، کیا حال ہے“ کہہ کر فرض ادا کر دیتے تھے ان سے صرف رات کے کھانے پر ہی ملاقات ہو پاتی تھی یا پھر اتوار کو ناشتے، دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے پر۔

ابی نے ان پندرہ دنوں میں دو تین بار ہی اس سے براہ راست بات کی تھی۔ وہ بھی چاچی کا احوال پوچھا تھا۔

آفتاب ملک دو تین روز بعد باقاعدگی سے فون کرتے تھے۔ نینا بھی اکثر فون کر لیتی تھی۔ لاہور آنے سے پہلے انہوں نے اسے سیل فون خرید کر دیا تھا اور کارڈ بھی لے دیے تھے۔ ایک دو بار اس نے بھی فون کر کے چاچی سے بات کی تھی۔ ابھی ان کا آپریشن نہیں ہوا تھا مختلف ٹیسٹ ہو رہے تھے۔ نینا نے اسے بتایا تھا کہ بالکل اور چاچی ان کے ہاں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ایاز تقریباً روز ہی چکر لگاتا ہے لیکن اکیلے ہی، انکل نے اسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ وہ کبھی کے ساتھ نہ آئے کیونکہ انہوں نے چاچی کو ابھی تک اس کی شادی کا نہیں بتایا۔ وہ بہت جھنجھلا رہا تھا کیوں کہ کتنی اپنے ساس سر سے ملنا چاہتی ہے۔ نینا نے اسے پوری تفصیل بتائی تھی۔

چتا نہیں چاچی کبھی کے متعلق جان کر کیا محسوس کریں گی۔ وہ بہت دیر تک بے مقصد وہاں ہی بیٹھی رہی حتیٰ کہ سورج کی کرنیں اس کی آنکھوں میں چھپنے لگیں تو وہ اٹھ کر اندر آ گئی۔ اندر ابھی تک خاموشی تھی۔ سنڈے کو عموماً ناشتے کے بجائے بارہ بجے چلا چلا کھانا ہی ہو جاتا تھا۔ موٹا نہاری اور پائے بازار سے لے آیا تھا اور اب باورچی خانے میں بیٹھا سب کے گھانٹے کا انتھار کر رہا تھا اور بو اتریب ہی رات کے کھانے کے لیے سبزی کاٹ رہی تھیں۔ اس نے بچن کے دروازے سے اندر جھانکا۔

”موٹا، میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو۔“  
”چائے ابھی دم کی گئی آرب صاحب کے لیے۔“  
آپ کو بھی بنا دیتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جون 2007ء

وہ اتنی بے دھیان سی بیٹھی تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب وہ پارک سے جا چنگ کر کے واپس آیا تھا۔ اس کی نظریں کچھ بھر کو گیٹ روم کی طرف اٹھیں۔ وہ جب یہاں سے گئی تھی تب بھی وہ گیٹ روم میں ہی رہتا تھا اور شاید اب بھی۔

”موٹا پلیز تم چائے مجھے اوپر میرے کمرے میں دے جانا۔“  
”جی اچھا۔“

بات کر کے وہ رکی نہیں اور سڑکیاں چڑھنے لگی۔ شابی بھابی کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا اور اندر سے ان کی آواز آ رہی تھی۔

”گڑیا بہت ڈسٹرب ہو رہی ہے، آپ جانتے ہیں نا اس کی اس سے نہیں بنتی۔“  
”تو میں کیا کروں؟“ یہ بڑے بھیا کی آواز تھی۔  
”آپ کہیں نا ایلیا سے کہہ دو کہ وہ اس کے کمرے میں۔ چند دن کی تو بات ہے پھر اس نے چلے ہی جانا ہے۔“

”تو چند دن گزرا ہی رہا ہے اس کے ساتھ۔“ شابی بھابی کی ہر بات پر بچن کہنے والے بڑے بھیا کبھی کبھی بحث پر اتر آتے تھے۔ آخر اسے بھی تو یہاں ہمیشہ نہیں رہتا۔

”لیکن ابھی تو وہ یہاں ہی ہے نا؟“ شابی بھابی کی جھنجھلائی ہوئی سی آواز سن کر وہ اندر ہی اندر شرمندہ سی ہو گئی۔

اگر بڑے بھیا نے مجھ سے کہا تو میں چلی جاؤں گی اس کے کمرے میں اس نے سوچا لیکن بڑے بھیا نے تو اس سے کچھ بھی نہ کہا، ہاں شابی بھابی نے ایک روز باتوں باتوں میں اسے سنا دیا۔

”گڑیا بہت ڈسٹرب ہو رہی ہے، ٹھیک سے پڑھائی نہیں ہو پاتی اس سے۔ دراصل وہ اپنے کمرے میں ہی پڑھنے کی عادی تھی نا اب تمہارے آنے سے اسے تمہارے لیے کمرہ خالی کرنا پڑا۔“

”اپنے کمرے میں..... کیا وہ کمرہ گڑیا تھا اور اس کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔“ اندر کہیں برسات ہونے لگی

تھی لیکن وہ ضبط کیے مسکرائی۔  
”کوئی بات نہیں بھابی میں کمرہ خالی کر دیتی ہوں۔“

”تو پھر تم کہاں رہو گی؟“ شابی بھابی کا انداز بگھڑا تو شابی نے ہنسنے سے روک لیا۔

”میں اس کے کمرے میں چلی جاؤں گی۔“  
”نہیں، نہیں رہنے دو ایلیا اب تم کہاں جاؤ گی۔ کون سا ساری عمر رہنا ہے تم نے یہاں۔ ویسے کب واپس آ رہے ہیں انکل آفتاب۔“

”پتا نہیں ابھی تو کچھ نہیں بتایا آنے کا۔“ وہ جانتی تھی کہ یہ سب کچھ جو کہا جا رہا ہے محض اوپر اوپر ہے۔  
”تمہیں بھی ساتھ ہی لے جاتے نہ جانے کتنے دن لگ جائیں گے۔“ شابی کی نگاہیں اسے کھوجتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

”جی، وہ.....“ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

”اوہ ہاں، انکل آفتاب نے ابی جان کو بتایا تو تھا کہ ایاز کا ارادہ پاکستان میں سیٹل ہونے کا ہے اس لیے وہ تمہیں ساتھ نہیں لے جا رہے۔“  
”جی، اس نے مگر اسانس لیا۔“

”لیکن کیا یہ حماقت نہیں ہے، اچھا بھلا وہاں سیٹ ہے ایاز۔ یہاں کہاں دل لگے گا اس کا۔ میں کہتی ہوں چندا سمجھاؤ اسے پاکستان میں کچھ نہیں رکھا۔“  
”جی، اس نے سر ہلا دیا۔“

”ہاں تو خیر میں گڑیا کو سمجھاتی ہوں چند دن جیسے بھی ہے گزارہ کر لے۔“ اٹھتے اٹھتے انہیں خیال آیا کہ گفتگو کسی اور رخ چلی گئی ہے۔ ”وہ تو ضد کر رہی ہے ہاسٹ چلی جائے گی۔“

”نہیں، نہیں بھابی میں نے کہا ہے نا میں کمرہ خالی کر دیتی ہوں۔“  
”اس کے ساتھ گزارا مشکل ہے بعد میں گلہ نہ کرنا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ اس نے مسکراتے کی کوشش کی اور اسی روز اپنا بیگ اٹھا کر اس کے کمرے میں آ گئی۔







دروازہ کھلا، بڑے بھیا، آرب مصطفیٰ کے ساتھ کمرے سے باہر آئے تھے۔

”او کے، جھنگ یو آبی بہت مزہ آیا تمہارے ساتھ کھینے میں۔ یار تم میری توقع سے زیادہ اچھے کھلاڑی ہو۔“ گھنٹوں پر سر رکھے رکھے اس نے بڑے بھیا کو کہتے سنا۔ پھر قدموں کی چاپ اور دروازہ بند کرنے کی آواز پر اس نے سر اٹھایا بڑے بھیا کمرے میں چائیکے تھے اور آرب مصطفیٰ میز صیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ دل کے اندر پھر شاید کوئی امید ٹوٹی تھی۔ شاید وہ توقع کر رہی تھی کہ بڑے بھیا اس کے پاس رک کر ضرور اس سے کوئی بات کریں گے لیکن بڑے بھیا اپنے کمرے میں چائیکے تھے۔ اس نے سیکے پر سر رکھا اور بہت دیر سے رکے ہوئے آنسو نیکہ بھگونے لگے۔

☆☆☆

گراؤنڈ فلور کے ٹی وی لاونج میں سب لوگ جمع تھے اور سب اونچا اونچا بول رہے تھے۔ فون انشینڈ کے پاس رکھی صوف چیر پر سر جھکائے بیٹھے بیٹھے ایلیا نے سب کی باتوں کو سننے کی کوشش کی۔

”توبہ، یہ ایلیا کی بچی کس قدر گھنی ہے ہوا تک نہیں لگنے دی کہ ایاز نے دوسری شادی کر لی ہے۔“ یہ شابی بھابی کی آواز تھی جو قدرے بلند تھی۔

”تو دوسری شادی کوئی جرم تو نہیں ہے؟“ یہ چھوٹے بھیا تھے اس نے سر جھکائے جھکائے محسوس کیا جیسے ان کے ہونٹوں پر طنز یہی مسکراہٹ ہو۔

”آخر، ہمارے اہلی جان نے بھی تو دو شادیاں کی ہیں۔“

”تو.....“ روشی بھابی کی جھکی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ ”کہیں آپ بھی تو اپنے اہلی کے نقش قدم پر چلنے کا نہیں سوچ رہے لیکن یاد رکھیے وہ آپ کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

”تمہارے جیسی چنگیز اور ہلا کو کی جانشین بیوی کے ہوتے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”اور ایلا بے چاری نے تو ایک لفظ تک نہیں کہا ہوگا بلکہ میرا خیال ہے وہ خود ایاز کے ساتھ گئی ہوں گی شادی

میں، ہے، ایلیا۔“ انوش نے اس کی طرف دیکھا، اس کا سر اور جھک گیا۔

”تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو، بڑوں کی باتوں میں تمہارا کیا کام ہے۔“ چھوٹی امی انوش کو ڈانٹ رہی تھیں۔

”قاریور کانسٹنڈ انفارمیشن مام میں پہلے سے ہی یہاں موجود تھی آپ لوگ بعد میں آئے تھے۔“

”تم بہت بولنے لگی ہو۔“

”اور یہ اسفند کو بھی خوب ہی سوچھی تھی آفتاب ملک کو بیٹی کا رشتہ دینے کی۔ زریاب میں کیا برائی تھی، عیش کرتی ایلیا زریاب کے گھر۔ دوسری بیوی کی تو قدر زیادہ ہی ہوتی ہے۔“

”جی آپ کو تو تجربہ ہے اس کا۔“ یہ چھوٹے بھیا تھے گوانہوں نے آہستہ سے کہا تھا لیکن سب نے صاف سنا تھا جو اب چھوٹی امی وہاں سے واک آؤٹ کر گئیں تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ چلو ایک بندہ تو کم ہوا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ذرا سا سر اٹھایا۔ انوش منہ دبائے ہنس رہی تھی۔

”انکل زریاب تو ایلیا کے دادا جان لگیں گے۔“ کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب ایلا ہمیشہ یہاں رہے گی۔“ روشی بھابی نے اصل اور اہم مسئلہ اٹھایا۔

”لو، یہاں کیوں رہے گی؟“ شابی بھابی نے تیزی سے کہا تھا۔

”کوئی ایاز نے اسے طلاق تو نہیں دی، دوسری شادی ہی تو کی ہے۔“

”لیکن ہم اب ایلا کو وہاں نہیں بھیجیں گے۔“ بڑے بھیا کی رگ بہت چھڑک رہی تھی۔ ”ہماری ایلا میں کیا کی تھی بھلا جو ایاز نے دوسری شادی کر لی۔“

”خیر، ایسا تو نہ کہیں، کی تو بہت بڑی ہے۔“ بڑی بھابی کو بڑے بھیا کی بات شاید پسند نہیں آئی تھی۔

”چار سالوں میں اولاد نہیں ہوئی ایلا کی اور یہ جاگیر دار تو اولاد کی خاطر چار چار شادیاں کر رہے ہیں۔

ہے چارے ایاز کا کیا تصور۔“ ایلیا کا جی چاہا کاش زمین چٹ جاتی اور وہ اس میں دھنس جاتی یا کاش وہ یہاں اس وقت ان سب کے ساتھ موجود نہ ہوتی۔

بات اس طرح سے کھلی تھی کہ چھوٹے بھیا کے ایک دوست اپنے والد کو علاج کے سلسلے میں امریکا لے کر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو چھوٹے بھیا مزاج پر سی کے لیے گئے۔ باتوں باتوں میں آفتاب ملک کا ذکر ہوا تو چھوٹے بھیا نے ان سے ان کی سسر کا احوال پوچھ لیا۔ دوست نے بتایا کہ کافی بہتر ہے۔

”دراصل ایاز کی وائف کی وجہ سے انہیں ہسپتال میں بہت پروٹوکول ملا ہوا ہے۔“

”ایاز کی وائف وہ تو.....“ چھوٹے بھیا کو حیرت ہوئی۔

”ہاں یار، اس کی وائف کے والد اس ہسپتال کے مالک ہیں۔ یا ایڈمنسٹریٹروں میں سے ہیں مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں لیکن اس کی وائف کی وجہ سے انہیں کافی سہولت ہے وہاں۔“

”لیکن ایاز کی شادی تو میری سسر سے ہوئی ہے۔“ ”تمہاری سسر؟“ دوست کو حیرت ہوئی۔

”ہاں، چار سال پہلے ہوئی تھی اور چند ماہ پہلے ہی دوسری سسر وہاں سے آئی ہے۔“

”اور یہ شادی چند ماہ پہلے ہی ہوئی ہے۔ مجھے ایک دوست نے بتایا تھا جو ایاز کی شادی میں شریک ہوا تھا۔ کتنی نام ہے اس کی بیوی کا شاید انجینئر ہے وہ بھی۔ انوں ایک ہی فرم میں کام کرتے ہیں۔“

اور یوں وہ بات جسے ایلیا نے اب تک سب سے سہارا لیا تھا سب کو معلوم ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت نی دی لاونج میں انوش کے ساتھ بیٹھی نی دی دیکھ رہی تھی جب چھوٹے بھیا سیدھے اس کے پاس آ کر کہے تھے۔

”ایلا، کیا ایاز نے دوسری شادی کر لی ہے؟“ ”جی، اس کا دل دھک سے رہ گیا۔“

”آپ کو کس نے بتایا؟“ چھوٹے بھیا سے تفصیل مانگا اور چلے گئے تھے اور پھر منٹوں میں جیسے نی دی لاونج میں بھر گیا تھا۔ وہ وہاں ہی بیٹھی رہ گئی تھی۔

سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

”میرے خیال میں ایلا کو ساہیوال میں رہنا چاہیے، اپنے سرال میں۔ اپنا حق چھوڑنا نہیں چاہیے۔“ شابی بھابی نے ادنیٰ آواز میں کہا۔

”تو اور کیا.....“ روشی بھابی نے تائیدی کی۔ ”اپنا حق چھوڑنا حماقت ہے نری۔“

”میرے خیال میں ابی جان کو انکل آفتاب سے بات کرنی چاہیے۔“ بڑے بھیا نے رائے دی۔

”ابی جان بھلا کس منہ سے انکل آفتاب سے بات کر سکتے ہیں۔“ چھوٹے بھیا ہولے سے ہنسنے لگے۔

روشی بھابی نے ایک ناگوار سی نظر ان پر ڈالی۔

”تو پھر ٹھیک ہے ہم ایلا کو نہیں بھیجیں گے ساہیوال۔“ بڑے بھیا کو جوش آیا۔

”آپ تو چپ رہیں، ہمیشہ غلط بات پر جوش آتا ہے آپ کو۔“ شابی بھابی نے انہیں گھر کا۔

”بھئی، جس کا مسئلہ ہے اس سے بھی تو پوچھیں۔ وہ کیا چاہتی ہے۔“

”یہ آواز.....“ ایلیا نے جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ بڑے بھیا کے پاس بیٹھا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ تیسری بار تھی کہ وہ آرب مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

”ہاں، ہاں گزیا تم کیا چاہتی ہو؟“ بڑے بھیا کے لہجے میں آج نہ جانے کہاں سے پیار لگا آیا تھا۔ اس کا حلق ٹپکن ہو گیا۔

”میں“ اس نے تھوک لگا۔ ”میں ساہیوال ہی جاؤں گی انکل اور چاچی آجائیں تو۔“ اس نے چھٹی چھٹی آواز میں کہا اور نورنگا جین جھکا لیں۔

”ہاں تو میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی کہ ایلا کو اپنے گھر میں ہی رہنا چاہیے۔“ شابی بھابی کے لہجے میں خوشی کی کھک تھی۔

”آپ تو جا کر دو نفل شکرانے کے پڑھیے کہ آپ کی بہن کے لیے کمر خالی ہو جائے گا۔“ انوش کی آنکھوں میں بے پناہ جھک تھی۔

”انوش.....“ شابی بھابی نے دانت پیسے۔ ”بہت

بہت

بہت



منہ پھٹ ہو گئی ہو تم۔ ابی جان سے تمہاری شکایت لگانا ہی پڑے گی۔“ انوشہ صرف مسکرا دی۔ اس کا سر مزید جھک گیا تھا اور وہ پاؤں کے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی جب انوشہ نے اس کے قریب آ کر کہا۔

”اب سر اٹھا لیجیے، لاؤنج خالی ہو چکا ہے۔ سب آپ کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنے اپنے کمروں میں جا چکے ہیں۔“ اس نے سر اٹھایا بالکل سامنے بیٹھے آرب مصطفیٰ پر اس کی نظر پڑی تو اس نے شپٹا کر انوشہ کی طرف دیکھا۔

”صرف آبی ماموں ہیں اور انہیں آپ کے یہاں رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”میری طرف سے تم یہ دعویٰ کیسے کر سکتی ہو انوشہ ڈیڑھ کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ آرب مصطفیٰ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

”وہ ایسے کہ آپ کو ایلا کے کمرے سے کوئی دلچسپی نہیں جبکہ باقیوں کو ہے۔“

”اور شاید تمہیں معلوم نہیں یہ ”باقی“ کب کا ایلیا کا کمرہ اس سے لے چکے۔“

”کیا مطلب...؟“ انوشہ نے آنکھیں پھاڑیں۔

”مطلب یہ کہ تمہاری ایلا آپ آج کل باہر لاؤنج میں سوتی ہیں۔“

”ریٹکی ایلا...؟“ انوشہ نے حیرت سے پوچھا۔ ایلا کا سرائیک بار پھر جھک گیا۔

”میں ہوتی آپ کی جگہ تو کبھی کمر خالی نہ کرتی یہ آپ کے ابی جان کا گھر ہے گڑیا کے ابی جان کا نہیں۔“

انوشہ کی پیشانی پر لکیریں سی پڑی ہوئی تھیں اور اس نے اپنی چھوٹی سی ناک نفرت سے چڑھا رکھی تھی۔

”میرا خیال ہے آپ کو انوشہ کی صحبت کی ضرورت ہے۔“ آرب مصطفیٰ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا اب وہ انوشہ کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی لائبریری میں وہ پلکیں لرز رہی تھیں اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

”آرب...“ چھوٹی امی اچانک ہی لاؤنج میں

آئی تھیں۔ ”اگر اظہارِ افسوس کر چکے ہو تو ذرا میرے بیڈروم کا ٹی وی دیکھ لو۔ صاف نہیں آ رہا۔“ آرب نے مڑ کر انہیں دیکھا اور بنا کچھ کہے ان کے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

”اور تم ایلا بی بی اب کیا سب کی ہمدردیاں بٹورنے کے لیے یہاں بیٹھی آنسو بہاتی رہو گی۔ اتنے گنکس ہوتے تو ایلا دوسری شادی ہی کیوں کرتا، خیر، اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آفتاب ملک آجائے واپس تو اسفند سے کہہ کر طلاق دلواتی ہوں۔ لوزریا اب تو آج بھی میرے کہے پر فوراً تم سے شادی کے لیے تیار ہو جائے گا۔“ ایلا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”نہیں چھوٹی امی وہ... ایسی کوئی بات نہیں ہے میں وہاں خوش ہوں بہت سب بہت اچھے ہیں۔“ اس نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی۔

”ہوں، جانتی ہوں سب کتنے اچھے ہیں۔“ وہ معنی خیزی سے انہیں تو وہ گھبرا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے سنا کہ چھوٹی امی انوشہ سے پوچھ رہی تھیں۔

”یہ آرب کیا کہہ رہا تھا ایلا سے؟“

”کچھ خاص نہیں مما بس کہہ رہے تھے کہ آپ اٹھ جائیں یہاں سے تو مجھے ایک فون کرنا ہے۔“

”اوہ اچھا۔“ چھوٹی امی کی آواز کا اطمینان اس نے محسوس کیا اور انوشہ کے جھوٹ پر بے اختیار مسکرا ہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ شاہی بھابی صحیح ہی کہتی ہیں۔

”یہ ننھی منی بچی انڈین سوپ اور ڈرامے دیکھ دیکھ کر پوری فتنہ بن چکی ہے۔“ لیکن جو کچھ بھی تھا اسے وہ اچھی لگتی تھی۔ منافقت سے دور سچ بات کہتے ذرا نہیں جھجکتی تھی لیکن موڈی تھی جی چاہتا تو ہفتوں ایلیا سے بات نہیں کرتی تھی اور اسے بالکل چھوٹی امی کی طرح ہی

انگور کر دیتی تھی لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنے دل میں کچھ نہ کچھ ہمدردی رکھتی ہے۔ اس گھر میں اور کون تھا جو اس کے لیے دل میں ہمدردی رکھتا ہو۔

”آرب مصطفیٰ...“ وہ چونک کر وہیں سیڑھیوں کے آخری سرے پر رک سی گئی ”آرب مصطفیٰ لیکن وہ تو

چھوٹی امی کا بھائی ہے سب سے زیادہ نفرت کرتی ہیں وہ پھر بھلا آرب مصطفیٰ کیوں مجھ سے ہمدردی رکھے گا۔ یہ دل بھی بس۔“ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج کے وسط میں کچھ دیر کی اور پھر سائینڈ والی صوفہ چیر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور پشت سے سر ٹپکتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

”تو تم جا رہی ہو۔“ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیگ پاؤں کے پاس رکھے بیٹھی تھی جب آرب مصطفیٰ نے بالکل اچانک اس کے سامنے آ کر پوچھا تھا۔

”ہاں“ اس نے نظریں اوپر نہیں اٹھائی تھیں۔

”انکل کل رات واپس آ گئے ہیں۔“

”ایلا زبھی آ رہا ہے کیا؟“

”نہیں“ وہ بدستور نیچے کارپٹ کے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو یہ کارپٹ اور اس کا ڈیزائن بہت پسند ہے شاید؟“

”جی، کیا کہا آپ نے...“ اس نے بے حد حیران ہو کر نظریں اٹھائیں۔ وہ ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔

”آپ کو میں نے ہمیشہ ان پھولوں کے ڈیزائن پر غور کرتے پایا ہے۔ میں نے سوچا شاید یہ بہت پسند ہے آپ کو یا پھر آپ اس پر غور کرتی رہتی ہیں کہ یہ ڈیزائن کیسے بنا ہے، کہیں مستقبل میں آپ کارپٹ فیکٹری کھولنے کا ارادہ تو نہیں رکھتیں۔“ اس نے آرب مصطفیٰ کی اس لمبی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور پھر نگاہیں نیچے کارپٹ پر مرکوز کر لیں۔

”سوری ایلا آپ کو میری بات بری تو نہیں لگی۔“

آئی ایم جسٹ جوکنگ۔“ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”اللہ نے آپ کو زبان بھی تو دے رکھی ہے نا کبھی کبھی اس کا بھی استعمال کر لیا کریں۔“ وہ چڑا۔ ”خیر“

اسے خاموش دیکھ کر کچھ دیر بعد اس نے پھر کہا۔ ”آپ نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پتا نہیں صحیح یا غلط شاید صحیح ہو۔ انوشہ کا یہی خیال ہے کہ آپ وہاں یہاں کی نسبت زیادہ خوش رہیں گی کیونکہ وہاں سب آپ سے



محبت کرتے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن ایلیا..... ایاز نے شادی کر لی ہے، وہ واپس نہیں آیا۔ اسے شاید وہاں ہی رہنا ہے ہمیشہ..... ایسے میں یہ اتنی طویل عمر محض اس کے نام پر گزار دینا عقلمندی نہیں ہے۔ آپ کو اپنے متعلق اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔ زندگی صرف ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہیں کوئی اور آپ کے لیے خوشیاں سجائے بیٹھا ہو۔“ ایلیا نے یوں ہی سر جھکائے جھکائے اس کی ساری بات کسی قدر بے توجہی سے سنی۔ اس کا دھیان انکل آفتاب کی طرف تھا۔ وہ ساہیوال واپس آ چکے تھے اور آج اسے لینے آرہے تھے۔ رات ہی انہوں نے فون کیا تھا کہ وہ صبح سویرے ساہیوال سے چل پڑیں گے لیکن شاید کچھ دیر ہو گئی تھی انہیں جبھی... تو ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ اس نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی۔ گھر کے سب افراد کسی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے گئے تھے ان کی واپسی پانچ بجے سے پہلے ممکن نہ تھی۔ وہ ناشتے کے بعد ہی اپنا بیگ اٹھا کر نیچے لاؤنج میں آ گئی تھی اور اب دو بجنے والے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی سب لوگ گھر سے نکلے تھے اور آرب مصطفیٰ کی آمد سب کے جانے کے بعد ہوئی تھی۔

”ایلیا اپنے ساتھ زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اپنے لیے ضرور سوچے گا اور اپنی زندگی کو ضائع مت کیجیے گا۔ یہ تو آفتاب ملک اور ان کی مسز کی خود غرضی ہے کہ وہ ساری زندگی آپ کو اپنی خدمت کے لیے اپنے پاس بٹھائے رکھیں اور وہاں ان کا بیٹا عیش کرتا رہے۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے۔“ اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور میں خود وہاں رہنا چاہتی ہوں۔“

”لیکن اس طرح زندگی ضائع کرنا حماقت ہے، ہاں اگر ایاز آپ کا بھی خیال رکھے تب۔“

”آپ کو اس سے کیا.....؟“ وہ چڑسی گئی۔

”آپ اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔“

”میں.....“ اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ

کیا۔ ”میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہا ہوں آپ نہیں سمجھ سکیں گی ایلا بی بی۔“

”آپ سمجھا دیں۔“ وہ اب بھی۔

”سمجھا دیں گے کبھی۔“ آرب کی آنکھوں میں

جیسے تار سا چمکا اور اس نے ایک گہری نظر اپنی طرف

دیکھتی ایلیا پر ڈالی۔ ایلیا نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں اور

بے مقصد ہی بیک کی زپ کھولنے لگی۔

”اگر کبھی اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے

لگیں تو یہ مت سوچے گا کہ آپ آگے اکیلی ہوں گی۔

آپ ایک بار فیصلہ کر لیں تو خود کو تنہا نہیں پائیں گی، کوئی

آپ کا منتظر ہے۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں رکا

نہیں بلکہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ایلیا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے اور پھر بند

کر لیے۔ ”یہ..... یہ آرب مصطفیٰ کیا کہہ گیا اور

کیوں..... کون میرا منتظر ہے؟“ وہ بے چینی سے کبھی

زپ بند کرتی کبھی کھول دیتی۔

”کھانا لگا دوں بی بی، ملک صاحب تو ابھی تک

آئے نہیں؟“ مونا نے آ کر پوچھا۔

”نہیں، مجھے بھوک نہیں۔ انکل آئیں گے تو پھر

کھالوں گی۔“

”مگر وہ آرب صاحب نے تو کھانا ہوگا۔“

”ان سے پوچھ لو۔“ وہ مونا کو جواب دے کر ایک

بار پھر ابھی گرہیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

”تو تمہارے پیپر زکل سے شروع ہو رہے ہیں۔“

بوائے انڈا اچھلتے ہوئے ملک آفتاب نے ایلیا سے پوچھا

جو سلاٹس پر بٹر لگا رہی تھی۔

”جی انکل“ ایلیا نے جواب دیا۔

”گڈ یعنی اب آپ ہو جائیں گی انٹر پاس۔ پھر

ایک دن گریجویٹ بن جائیں گی اور ایک دن ماسٹر

کر لیں گی۔“ وہ ہنسے۔



## ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”پہ سب آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے انگل ورنہ نہیں کہا۔“

”میں تو.....“  
”نہیں بھئی ہماری وجہ سے کیوں تم نے خود بڑی محنت کی ہے۔ ایک سال میں دو سال کی تیاری۔“  
”آپ دعا کیجئے گا اچھے نمبر آ جائیں۔“ ایلیا نے سلاکس والی پلیٹ ان کے سامنے رکھی۔  
”دعا تو ہم ہر وقت ہی کرتے رہتے ہیں اور انشا اللہ نمبر بھی اچھے آئیں گے کیوں بیوی صاحبہ کچھ غلط تو

ناولٹ



اک سال بعد شاہی بھابی کی آواز سن کر وہ حیران رہ گئی۔

”شاہی بھابی آپ خیریت تو ہے نا؟“

”ہاں، ہاں خیریت ہے تم سناؤ ٹھیک ہوتا۔ بڑی

سہ مروت ہو گئی دوپہے کا فون تک نہیں کیا۔“

”میں نے فون نہیں کیا شاہی بھابی.....؟“ اس کی

حیرت بڑھ گئی۔

”میں تو اکثر کرتی رہتی ہوں لیکن آپ لوگ ہی

نہیں ملتے ہاں، آپ نے آج ایک سال بعد فون کیا

ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ بیٹھی۔

”اوہ، بس ایسا کیا کہیں بچوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی

جھجھکیا لگا رہتا ہے۔ خیر تم کیا جانو فارغ ہو..... ویسے ایاز

کا کیا حال ہے فون کرتا ہے یا نہیں۔“

”جی فون آتا رہتا ہے۔“

”خود نہیں آیا؟“

”آنے والے ہیں کچھ دنوں تک۔“ اپنا بھرم رکھنا

کتنا مشکل ہوتا ہے لیکن اسے اب یہ فون آ گیا تھا۔

”اوہ ہاں، آنا ایاز کے ساتھ اور وہ تمہارے بڑے

بھیا تو ادھر نہیں آئے۔“





”نہیں تو..... کیا وہ ساہیوال آئے ہوئے ہیں؟“  
اسے حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا لگا۔

”ہاں شاید..... کہہ رہے تھے کہ ساہیوال جاؤں گا کسی کام سے، ملتان گئے ہوئے تھے دودن سے میں نے کہا شاید تم سے ملنے آئے ہوں۔“ انہوں نے فون فوراً ہی بند کر دیا تھا تو گویا صرف تحقیقات مقصود تھیں اور اس کا خوش فہم دل۔۔۔

”بڑے بھیا یقیناً ساہیوال آئے ہوئے ہوں گے لیکن ملنے تک نہیں آئے..... کیا خون اس طرح بھی سفید ہوتا ہے۔“ بتولاں دوسری بار بلانے آئی تو فون ٹیبل پر رکھ کر وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ آج سڈے تھا ناشتا ذرا دیر سے کیا جا رہا تھا۔ بمشکل اپنے آنسو روک کر وہ ڈانگ ہال میں آئی تھی جہاں چاچی اور انکل آفتاب ملک اس کا انتظار کر رہے تھے۔ پورا ایک سال ہو گیا تھا اسے یہاں آئے کسی نے مڑ کر اس کی خبر نہیں لی تھی۔ آج شاہی بھابی کا فون بھی آیا تو صرف یہ پوچھنے کے لیے کہ بڑے بھیا اس کی طرف تو نہیں آئے تھے۔ یہاں آفتاب ملک اور چاچی اس کا کتنا خیال رکھتے تھے کتنی محبت کرتے تھے اس سے۔ ایک پرائیویٹ اکیڈمی میں وہ ایف اے کی تیاری کر رہی تھی۔

”ایف اے کر لو تو پھر اپنی پسند کے کالج میں ایڈمیشن لے لینا۔“ آفتاب ملک نے اس سے کہا تھا۔

کالج کے بجائے اکیڈمی میں جانے سے یہ فائدہ تھا کہ وہ ایک سال میں ایف اے کی تیاری کر لیتی۔ میٹرک کے اے چار سال ہو گئے تھے۔ چاچی اس کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ کبھی رات کو بادام بھگو دیتیں کبھی مغزیات ملا کر دالیں تیار کروا تیں۔

”اتنا دماغ خرچ کرتی ہو اس سے ذہن تر و تازہ ہو گا۔“ یہ دونوں اس کے کوئی نہیں تھے لیکن اس کے لیے انہوں سے بڑھ کر تھے۔

”کیا سوچنے لگی ہو بیٹا؟“ آفتاب ملک نے شفقت سے پوچھا۔  
”کچھ نہیں انکل۔“ اس نے آنکھوں کا نم اندر ہی اندر پیتے ہوئے جواب دیا۔

”سوچ رہی ہوں کہ میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ دونوں جیسے محبت کرنے والے شفیق لوگ ملے۔“

”بد قسمت تو وہ ناہنجاز ہے۔“ آفتاب ملک بڑبڑائے۔ وہ جب تک امریکا میں رہے نینا عادل کے گھر ہی رہے تھے اور انہوں نے ایاز سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کیتھی سے تم نے اپنی پسند کی شادی کی ہے لیکن ایلیا سے بھی رشتہ تم نے قبول کیا تھا تمہاری جگہ کسی اور نے ہاں نہیں کی تھی۔ اس لیے تم ایلیا کو بھی کیتھی کے برابر حقوق دو تب ہم کیتھی کو بھی قبول کر لیں گے۔ محض تمہاری خاطر۔ اگر تمہیں ایلیا کو اس کا حق نہیں دینا تو پھر ہمیں بھی کیتھی سے کوئی مطلب نہیں۔“

”لیکن بابا جان وہ کیتھی..... وہ اس پر راضی نہیں ہوتی، وہ بہت پوزیو ہے۔“ ایاز ان کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا۔

”تو پھر ٹھیک ہے تم بھی ہمیں مجبور نہ کرو کہ ہم کیتھی سے ملیں نہ اسے یہاں لاؤ۔“ نینا سے ساری بات سن کر وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

”انکل آپ نے خواہ مخواہ ایاز کو ناراض کیا ہل لیتے آپ کیتھی سے۔“ وہ واپس آئے تو اس نے کہا۔

”نہیں ہونا ناراض شاراض تم اس کی فکر نہ کرو۔“ انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا۔

”جب میں نے تمہاری بات کی تھی اس سے تو کیا اس کے منہ میں زبان نہ بھی مینا تھا وہ۔ میری بیٹی کے لیے کوئی رشتوں کی کمی نہ تھی۔ چوہدری علی اکبر میرا رشتہ کا۔ ڈاکٹر تھا اس کا بیٹا، ہاں نہیں تو۔“ اس کا سر جھک گیا تھا۔

”اب بھی اگر وہ..... خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔“ وہ مسکرا دیے تھے۔

”تیری چاچی اپنے قدموں پر چل رہی ہے۔ اس وقت تو اسی کی خوشی مناتے ہیں۔ کل دلیلیں پکوا کر یتیم خانے بھجوائی ہیں۔“ انہوں نے موضوع بدل دیا تھا۔  
”ارے ہاں ایک خوشخبری ہے۔“ آفتاب ملک نے چائے کی پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔

”کیا.....؟“ چاچی نے پوچھا۔  
”بھئی آپ کی نینا آرہی ہے اگلے مہینے ہماری حویلی میں بھی رونقیں لگ جائیں گی۔“  
”نینا آرہی ہے۔“ وہ جیسے سب کچھ بھول کر خوش ہو گئی۔

”ہاں۔“  
”شکر ہے رب کا اس بھی جی چاہا اپنے وطن آنے کو۔“ چاچی نے شکر ادا کیا۔  
”جی کب نہیں چاہا اس کا آنے کو۔ بڑی بہادر ہے۔ ہماری بچی بڑی جدوجہد کر رہی ہے۔“ ملک آفتاب کے لہجے میں افسردگی در آئی۔  
”میں نے بھی کہا ہے اسے کہ اب ارادہ کیا ہے تو بدل نہ دینا۔ یہاں رہ لو کچھ دن سکون سے۔“

”ہاں، ہاں میں تو اب جلدی نہیں جانے دوں گی۔ بہت سکھ دیا تھا اس نے ہمیں۔“ وہ بہت باریک بینی سے ہوئی باتیں پھر ایلیا کو بتانے لگیں۔ ایلیا چائے پیتے ہوئے دھیان سے انہیں سن رہی تھی جب گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے اچانک ہی ملک آفتاب کو یاد آیا۔

”ارے ہاں بٹا کل تمہارا بڑا بھائی ملا تھا منڈی میں۔ بہت کہا گھر چلو لیکن جلدی میں تھا۔ کہہ رہا تھا آنا جانا لگ رہا ہے اب تو کسی روز آؤں گا۔ کئی بار پہلے بھی آیا ہے لیکن میری آج ہی ملاقات ہوئی ہے کسی سے بزنس ڈیلنگ ہوئی ہے اس کی یہاں۔“

”جی۔“ آنسو ایک بار پھر حلق میں اکٹھے ہونے لگے۔ ”یعنی بڑے بھیا پہلے بھی آتے رہے ہیں یہاں، کیا تھا گھڑی دو گھڑی کے لیے مجھ سے ملنے چلے آتے۔“ جلدی سے چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔  
”میں جا کر پڑھ لوں۔“

”ہاں، ہاں جاؤ، میں نے تو کہا بھی تھا بتولاں آج ناشتا تمہارے کمرے میں ہی دے آئے گی لیکن یہ تمہارے انکل کہتے تھے کہ تمہارے بغیر ناشتا نہیں کریں گے۔“ اس نے ایک ممنون سی نظر دونوں پر ڈالی اور تیزی سے باہر نکل آئی۔



”ایلا کچھ پریشان لگ رہی ہے کہیں ایلا کا تو کوئی فون وغیرہ نہیں آیا اس کی طرف۔“ باہر نکلتے نکلتے اس نے سنا چچی کہہ رہی تھیں۔

”کہیں ایلا زکی جراث ہے اسے کچھ کہے۔ ہاں مجھ سے کہتا رہتا ہے کہ جب کہوں وہ پیچہ زہیج دے گا۔“ ہائے نہیں! چچی نے یکدم کہا ایلا کا دل بھی دھک سے رو گیا وہ دروازے کے باہر کھڑی کی کھڑی رو گئی۔ اس گھر کے سوا اس کا کہیں اور ٹھکانا تھا۔

”نیک بخت کہتا تو وہ صحیح ہے تا جب اس نے کوئی تعلق نہیں رکھتا تو ہم ایلا کی زندگی کیوں جاہ کریں۔ ساری عمر ہمیں نہیں رہتا۔ ہمارے بعد ایلا کا کیا ہوگا۔ سوچتا ہوں ایلا امتحان دے لے تو اس سے بات کروں، ایک رشتہ ہے میری نظر میں اچھا لڑکا ہے۔ ایلا مان گئی تو پھر آجی سے کہوں گا۔“ گوآن کی آواز گودم بھی لیکن ایلیا کوسنائی دے رہی تھی۔

”آو۔“ چچی نے ایک گہری سانس لی۔ ”کتنی پیاری بچی ہے اور کتنی عزیز ہوئی ہے مجھے، بھی یہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائے گی اس تصور سے ہی میرا تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔“

”لیکن اپنی خوشی کی خاطر ہم اس کی زندگی کو تو جاہ نہیں کر سکتے تا۔“ ملک آفتاب نے دلگرفتہ لہجے میں کہا۔ ”اور دیکھو نا! چچی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ شاید ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔“ اس کے گھر والوں کو مڑ بھی حال تک نہ پوچھا۔ بھائی اس شہر میں آتا ہے اور بہن سے ملنے نہیں آتا عجیب بے حس لوگ ہیں۔ بے چاری بچی کا ذرا سامنے نکل آیا بھائی کے آنے کا سن کر۔“ ”ہاں بیگم صاحبہ اپنا سا باپ بدل جائے تو پھر باقی رشتوں سے کیا لگا۔“

اس نے ہنسی پکوں کو پوچھا اور بولے ہوئے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی آج پھر بہت دنوں بعد وہ بہت سارا روٹی اور اس نے اپنی گزری زندگی کے ایک ایک لمحے کو یاد کیا وہ سولہ سال جو اس نے ماڈل ٹاؤن والے گھر میں گزارے تھے اور پھر وہ بار سال جو ایلا کے ساتھ۔ کہیں کوئی خوشی کی رات نہ تھی کوئی بہت دل

خوش کن بات جو اس کے متکین دل کو خوش کر دیتی اور اس نے اس گزریے ایک سال کو سوچا۔

انگل آفتاب اور چچی کی کھینٹیں۔ نینا عادل کے پیار بھرے میٹھو اور نون! انڈی کی فرینڈز۔ بس یہ ایک سال تھا صرف ایسا اس کی انیس سالہ زندگی میں جس میں کہیں کہیں خوشیوں کی گل رنگ کلیاں چٹکی ہوئی تھیں۔ ”انگل آفتاب۔“ کیا سوچ رہے ہیں مجھے کہیں نہیں جاتا۔ بس میں یہاں ہی رہوں گی۔ منت کر لوں گی پاؤں پکڑ لوں گی۔“ وہ سوچتی رہی پڑھنے کا موزن بن سکا تب تھک کر آنکھیں موندتے ہوئے اس نے نیچے پر سر رکھ دیا اور پھر پونہ نیچے پر سر رکھے رکھے وہ گہری نیند سو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ سوئی رہی کسی نے جگا یا نہیں پھر آہٹ پر اس کی آنکھ کھلی تو اس کی نظر سامنے کھاک پر پڑی چارنج رہے تھے۔

چارنج گئے۔ ”وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کتنا وقت ضائع ہو گیا۔ وہ یکدم ہی بستر سے اٹھ کر دروازے تک آئی۔ بتولاں اس کے کمرے کے باہر ہی تھی۔ ”اوہ جی آپ جاگ گئے ہو؟“ بتولاں نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”آئی دیر ہو گئی تم مجھے جگا دیتیں۔ چچی اور انگل نے کھانا کھا لیا۔“

”جی کھالیا، انہوں نے ہی مجھے منع کیا تھا کہ نہ چکاؤں رات کو بھی دیر تک پڑھتی ہیں پتا نہیں کب آنکھ لگی ہو۔“

”اوہ، خیر اب کہاں ہیں انگل اور چچی؟“

”وہ جی دونوں تو چلے گئے ہیں ادھر پڑوس میں کسی گھر پر سادے جاتا تھا بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ آپ جاگیں تو کھانا لگا دوں آپ کے لیے۔“

”نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ تم چائے بنا دو میرے لیے۔“

”جی اچھا، اوہ میری بھی مت ماری گئی ہے۔“ اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

”میں آپ کو بتانے آئی تھی کہ آپ کے مہمان آئے ہیں جی لاہور سے۔ آپ سو رہی تھیں تو میں واپس

ہار ہی تھی انہیں بتانے۔ آپ سے باتوں میں لگ کر مارنے سے ہی نکل گیا۔ ویسے میں نے انہیں ٹھہرا دیا ہے ادھر ڈرائنگ روم میں۔“

”بڑے بھیا“ اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ ”اور میں یونہی بدگمان ہو رہی تھی۔“ دونوں ہاتھوں سے ماتھے پر ہاتھوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی وہ دروازے کی طرف پیٹھے کیے دیواروں پر لگے بارہ سٹکے کے سینکڑوں گود دیکھ رہے تھے۔

”بھیا۔“ اس کی آواز میں لرزش تھی تبھی وہ مڑے اور وہیں ٹھک کر رک گئی۔

آر ب مصطفیٰ آنکھوں میں اشتیاق کا جہان پھپھائے اسے دیکھ رہا تھا۔

”آپ۔“ ”مائیوسی سے اس کے چہرے کی رنگت پھیک پڑ گئی۔

”ہاں میں، شاید آپ کو بہت مائیوسی ہوئی مجھے دیکھ کر۔“

”وہ میں بھی بڑے بھیا ہیں۔“ مائیوسی اس کے لہجے سے بھی جھلک رہی تھی۔

”بیٹھے انگل اور چچی تو گھر پر نہیں ہیں۔“

”آپ تو ہیں اور میں آپ ہی سے ملنے آیا تھا یہاں ایک دوست ہیں میرے انہی کی طرف آئے تھے ہم کچھ دوست، سوچا آپ کی بھی خبر لیتا جاؤں۔“ وہ پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

”شکریہ۔“ وہ کارنر والے صوفے پر ٹپک سی گئی۔

”سب اچھے تھے وہاں لاہور میں۔“

”ہاں۔“ اس نے ایک گہری نظر ایلپا پر ڈالی۔

”آپ کیسی ہیں؟“

”اچھی ہوں۔“ ایلیا کی نظریں کارپٹ کے پھولوں پر تھیں۔

”آپ تو یہاں کی ہی ہو رہی ہیں پھر کبھی چکر ہی نہیں لگایا۔“

”اپنا گھر۔۔۔!“ وہ بولے سے ہنسا۔ ”آپ کو یقین ہے کہ یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔“

”ہاں، شادی کے بعد شوہر کا گھر ہی بیوی کا گھر ہوتا ہے۔“ اس کی آواز آہستہ تھی اور اس میں ہلکی سی لرزش تھی۔

”اچھا، آپ تو بڑی عقلمند ہیں بھی، ایلا نے چکر لگایا کبھی۔“

”نہیں۔“ اس نے مختصر کہا۔

”آپ کب جا رہی ہیں واپس۔“ وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا وہ یکدم چڑ گئی۔

”آپ کو میری ذاتیات سے کیا دلچسپی ہے؟“

”سو رہی۔۔۔!“ اس نے فوراً ہی معذرت کر لی۔

”ایک بولی میں نہیں چاہتا کہ آپ ایک ناقد رشتہ شناس شخص کے لیے اپنی زندگی ضائع کریں۔ آپ کو یاد ہو گا جب آپ یہاں آ رہی تھیں تو میں نے کچھ کہا تھا آپ سے۔“

”میں فضول باتیں یا نہیں رکھتی۔“

اس ایک سال میں اس کے اندر کچھ کانیفڈاں پیدا ہو گیا تھا اور بڑے بھیا کے بجائے اسے دیکھ کر جو مائیوسی اسے ہوئی تھی وہ اندر ہی اندر غصے میں ڈھل رہی تھی۔

دردنہ اس طرح کی گفتگو کرنے کی عادی نہ تھی۔

”وہ فضول بات نہیں ہے ایلیا بی، زندگی کہیں آپ کے لیے اپنے دامن میں خوشیاں سمیٹے بیٹھی ہے۔ اسے ضائع مت کیجیے اگر آفتاب ملک اور ان کی سسر یہاں محض اپنی دوسرا ہٹ کے لیے آپ کو رکھے ہوئے ہیں تو یہ سراسر خود غرضی ہے۔“

”وہ خود غرض نہیں ہیں۔“ صبح کی ساری گفتگو اس کے ذہن میں گردش کرنے لگی۔

”میرے سارے اپنوں سے زیادہ اپنے ہیں۔“ وہ۔۔۔

”کوئی اور بھی آپ کا ہمدرد ہو سکتا ہے اتنا ہی اپنا کبھی غور ہی نہیں کیا آپ نے؟“ ایک معنی خیزی مسکراہٹ نے آر ب مصطفیٰ کے لبوں کو چھوا۔

”کون۔۔۔ آپ؟“ بے اختیار ہی ایلیا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ہنس دی۔



”آپ کو بھلا مجھ سے کیوں ہمدردی ہوگی آپ تو...؟“

”میں آپ کی سوتیلی والدہ کا بھائی ہوں، کیا صرف اس قصور کی بنا پر آپ مجھے اپنا ہمدرد نہیں سمجھتیں؟“ انداز سوالیہ تھا۔

”مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے گھر میں بہت خوش اور مطمئن ہوں اور مجھے اپنی ذات میں آپ کی دلچسپی کی وجہ بالکل سمجھ نہیں آئی۔“

”کبھی سمجھا دیں گے آپ کو بھی اس دلچسپی کی وجہ۔“ وہ یکدم کھڑا ہو گیا۔

”کبھی آپ کو میری ضرورت پڑی تو یاد کر لیجی گا۔“ اس نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور پھر اس کے قریب ہی کارڈز ٹیبل پر رکھ دیا۔

”جاتے جاتے ایک بار پھر کہوں گا کہ اپنے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچیے گا۔ یوں عمر آسانی سے ایاز کے والدین کی خدمت کرتے کرتے نہیں کٹے گی۔“ وہ اسے حیران چھوڑ کر تیزی سے باہر نکلا اور ٹرائی دھکیلتی بتولاں نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔

”یہ چلے بھی گئے، میں تو چائے شائے لائی تھی۔“ ایلینا نے سر اٹھا کر بتولاں کو دیکھا اور پھر غیر ارادی طور پر ٹیبل سے کارڈ اٹھا لیا۔ ”چلو جی فریسی ہی پی لو چائے وائے یہ ننگس اور ٹمپورا تو دیکھیں کیسا گولڈن فرائی کیا ہے میں ہے۔“

”اچھا۔“ وہ خالی خالی نظروں سے بتولاں کو دیکھ رہی تھی وہ نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

”آج تو بیگم صاحبہ بغیر اسٹک کے چل کے گئی ہیں، ملک صاحب تو بڑے خوش تھے جی۔“

”اچھا۔“ اسے بھی خوشی ہوئی۔ کچھ عرصے سے وہ اسٹک کے سہارے چل رہی تھیں۔ واکر کے ساتھ چلنا تو بہت پہلے چھوڑ دیا تھا انہوں نے۔

”چائے بناؤں جی؟“ اسے خاموش دیکھ کر۔

”ہاں۔“ اس نے سر جھٹک کر آرب مصطفیٰ کی

باتوں کو ذہن سے نکالنا چاہا لیکن وہ تو جیسے ذہن سے چپک گئی تھیں۔ اس کی باتوں کو بھلانے کے لیے وہ یونہی بتولاں سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی حالانکہ کل اس کا پیپر تھا اور ابھی اسے بہت سارا پڑھنا تھا لیکن چائے پیتے ہوئے وہ یونہی بتولاں سے لایعنی باتیں کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ بے حد تھکی تھکی سی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی کہ بڑے بھیا کی آواز سن کر ٹھٹھک گئی۔ ”یہ تو بڑے بھیا کی آواز ہے۔“

آج کالج میں فنکشن تھا اسے کچھ دیر ہو گئی تھی۔ ایف اے میں اس کی توقع سے زیادہ نمبر آئے تھے۔ سب ہی خوش تھے۔ انکل آفتاب، چاچی، نینا عادل، بتولاں سب ہی۔ خوش تو وہ بھی بہت تھی لیکن چار سال زندگی کے ضائع ہو گئے تھے۔ آفتاب ملک نے اس سے کہا تھا اگر وہ لاہور میں ایڈمیشن لینا چاہے تو وہ اسے لاہور کے کسی بھی کالج میں ایڈمیشن دلوا دیتے ہیں۔ ویک اینڈ پر وہ اسے حویلی لے آیا کریں گے۔ ”لاہور میں۔“ اس کی آنکھوں کے سامنے سب کے روئے آ گئے تھے۔

”نہیں، یہاں ہی ٹھیک ہے۔“

”ہاسٹل میں رہ لینا۔“ آفتاب ملک جیسے سب جانتے تھے لیکن لاہور میں اپنے باپ کا گھر ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنا وہ اپنا بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی۔

”نہیں، میں یہاں کے کالج میں ایڈمیشن لوں گی۔“ اور یوں اس نے تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن لے لیا تھا اب تو چھ ماہ ہو گئے تھے اور چھ ماہ پہلے جب نینا عادل بچوں کے ساتھ چھٹیاں گزارنے آئی تھی ہر وقت اسے سمجھاتی رہتی تھی۔

”چاچی اور چاچا جی سے تمہاری محبت اپنی جگہ ہے آخر بیٹیاں بھی تو بیاہ کر سسرال جاتی ہیں اس گھر سے تمہارا رشتہ ٹوٹ تو نہیں جائے گا۔“

”ٹوٹ جائے گا نینا، کون مجھے یہاں آنے دے گا۔“ وہ نینا کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھی۔



”پاگل ہو تم!“ نینا نے بے بسی سے کہا۔  
 ”گریجویشن کر لو پھر میں تم سے بات کروں گی۔“  
 چادر اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے اس نے

”اوہ، ہاں جی آپ آگئے ہو کالج سے مہمان ہیں  
 بی۔ لاہور سے ہی آئے ہیں۔ آپ کے میکے سے آئے  
 ہیں آپ کے بھائی۔ بڑی دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔“  
 ”اچھا۔“ وہ حیران سی ڈرائنگ روم کی طرف چل  
 دی بڑے بھیا سا منہ ہی انکل آفتاب کے ساتھ صوفے  
 پر بیٹھے تھے۔ سائڈ والے صوفے پر چاچی بیٹھی تھیں۔

”اچھی ہوں۔“ وہ حیران سی ان کی گرم جوش دیکھ رہی تھی۔ ”آپ کیسے آئے؟“ سنجیدگی سے پوچھتی ہوئی وہ چاچی کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

”وہ میں!“ انہوں نے سر کھجایا۔ ”تمہیں لینے آیا تھا۔“

”کیوں، خیریت ہے؟“ اس نے حیرانی سے  
 انہیں دیکھا۔ ”ابی جان تو ٹھیک ہیں؟“  
 ”ہاں، سب ٹھیک ہیں۔“ وہ دوبارہ بیٹھ گئے۔  
 ”ہم نے سوچا بہت رہ لیا تم نے یہاں اب  
 ہمارے پاس رہو۔“

”لیکن یہ بات تو آپ کو تبھی پتا تھی جب میں  
یہاں آئی تھی۔“ اس نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے  
دی۔

”جھوٹ ہے یہ“ میں خود یہاں اپنی مرضی سے رہ رہی ہوں اور انکل یا چاچی کو اپنی خدمت کے لیے میری ضرورت نہیں ہے۔ بہت ملازم ہیں یہاں۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو میں یہاں رہ کر اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر رہی ہوں۔“

”کیا.....؟“ وہ ششدر سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ ڈیڑھ سال پہلے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا جب سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے اور خاموش بیٹھے آرب مصطفیٰ نے یکدم کہا تھا۔

”جس کی زندگی کا فیصلہ آپ کر رہے ہیں اس کی بھی تو رائے لیں وہ کیا چاہتی ہے۔“ اور آرب <sup>مصطفیٰ</sup> چھوٹی امی کا بھائی ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں اس کے لیے دل میں ایک نرم گوشہ رکھتا تھا۔ جس روز اس کے اے کار زلٹ آیا تھا وہ یونہی ماڈل ٹاؤن فون کر بیٹھی۔ انوشہ نے اٹھایا تھا۔

”بھابی ایلا کا فون ہے۔“ وہ ریسپور ہاتھ میں



ماہنامہ پاکیزہ



”یہ ان دنوں کی تصویر ہے۔ جب وہ کالج میں پڑھتی تھی۔ میں آج کتابیں سیٹ کر کے رکھ رہا تھا کہ یہ الگ نکل آئی۔“

”یہ دیکھو۔“ انہوں نے صفحہ الٹا۔ شادی کے بعد پہلی بار تمہارے ابی جان اور امی میرے گھر آئے تھے تو یہ تصویر میں نے یہاں صحن میں بنائی تھی۔ دیکھو یہ ادھر کچن کی دیوار کے ساتھ پڑے گمبے نظر آ رہے ہیں۔“ وہ بے حد اشتیاق سے چمکتی آنکھوں سے تصویریں دیکھ رہی تھی۔

”یہ میری ممی..... کتنی خوبصورت ہیں۔“  
”بالکل تمہارے جیسی تھیں۔ تمہارا قد تھوڑا لمبا ہے اس سے۔“ چاچی نے بہت محبت سے کہا۔ ”ورنہ بنی بنائی ثمرین ہو۔“

”ایک اور تصویر بھی ہے۔“ انہوں نے صفحہ الٹا تب ہی بتولاں اندر آئی ٹرے میں گاجر کے حلوے کا ڈونگا اور پلیٹیں رکھے ساتھ میں ایک براؤن سالفا فہ بھی۔  
”جی یہ ڈاکیا دے گیا ہے۔ میں نے سائن کر دیے تھے۔“ اس نے خوش ہو کر بتایا۔ اکثر ملک آفتاب کے نام کتابیں یا رسالے آتے تو وہی سائن کر دیتی تھی۔  
”اچھا۔“ ملک آفتاب نے الیم ایلیا کو پکڑا کر لفافہ لے لیا۔ ایلیا الیم لے کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور بہت دھیان سے دیکھ رہی تھی چاچی بھی جھکی تصویر دیکھ رہی تھیں۔

”ارے، یہ تو ایاز کا خط ہے اور ایلیا کے نام ہے۔“ ملک آفتاب نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور لفافہ پکڑ لیا۔  
”میرے نام.....!“

”ہاں تمہارا ہی نام لکھا ہے باہر۔“  
”ملک آفتاب کچھ بے چین سے ہو گئے تھے۔ بڑے بھیا کے آنے کے بعد انہوں نے ایاز سے بات کی تھی لیکن اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے اب جب کہ کیتھی ماں بننے والی ہے اس موقع پر وہ اسے کوئی شک نہیں پہنچانا چاہتا پھر یہ خط۔ حیرانی کی کیفیت میں ایلیا نے لفافہ چاک کیا۔“

”سوری ایلیا میں تمہارے ساتھ رشتہ نبھانہ سکا سو میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں تاکہ تمہارے والدین تمہاری دوسری شادی کسی اچھی جگہ کر دیں اور تم ایک بہتر زندگی گزار سکو۔ طلاق کے مکمل پیپرز تمہیں ایک دو روز میں مل جائیں گے۔“ خط کے ساتھ کاغذ منسلک تھا جس میں اس نے باقاعدہ طلاق دی تھی۔ لمحہ بھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھتی رہی پھر اس کے لبوں سے چیخ نکلی۔  
”نہیں..... نہیں۔“

”کیا ہوا..... کیا ہوا؟“ ملک آفتاب گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میں نے کتنی منت کی تھی کتنی التجا کی تھی کہ.....“ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی، وہ یکدم ہی پیچھے کی طرف گری تو چاچی نے اسے بھام لیا۔ شاید چند ہی لمحوں بعد اس کے حواس واپس آ گئے تھے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اس کا سر چاچی کی گود میں تھا اور وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کی پیشانی پونچھ رہی تھیں۔  
”آپ پوچھیں تو سہی اس سے کیوں کیا اس نے ایسا کیا تکلیف تھی اے کیا اس کا دیا کھاتی تھی ایلیا۔“ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔  
”ہاں پوچھتا ہوں۔“ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ اپنے موبائل پر ایاز کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔ وہ چاچی کے گلے سے لگ کر روتی رہی۔

”ہیلو، ہاں ایاز سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو۔ بات سن لو پھر سوئے رہنا۔“ وہ باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

”چاچی میں تو یہاں رہنا چاہتی تھی آپ کے پاس، آپ کی محبتوں کے سائے تلے میں نے تو ایاز سے کچھ طلب نہیں کیا تھا کچھ نہیں مانگا تھا بس اتنا ہی کہا تھا کہ اپنا نام میرے نام کے ساتھ رہنے دے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ماں باپ کی محبتوں کا ذائقہ چکھا تھا۔ چاچی آپ کی گود میں سر کر مجھے لگتا تھا جیسے میں نے اپنی ماں کی گود میں سر رکھا ہو۔“  
”میری بچی۔“ چاچی کا ضبط بھی جواب دے گیا۔



ملک آفتاب جب واپس کرے میں آئے تو دونوں ایک دوسرے سے گلے گلے بے تحاشہ رو رہی تھیں۔ وہ ہونٹ بچھنے کچھ دیر کھڑے انہیں دیکھتے رہے پھر ایلیا کو کندھوں سے پلا کر الگ کیا۔

”مت روز بیدہ، کیوں بچی کو ہلان کر رہی ہو جو ہونا تھا وہ ہو چکا کاش ایاز نے مجھ سے پہلے بات کر لی ہوتی۔“

”کیا کہتا ہے وہ؟“ چاپی نے اپنے آنسو پونچھے۔

”وہ کہتا ہے کہ کئی دنوں سے اسفند یار اور بڑے بھیا کے فون آرہے تھے اور وہ اسے مجبور کر رہے تھے کہ وہ ایلیا کو طلاق دے دے جب کہ اس نے انہیں کہا کہ وہ طلاق لینا نہیں چاہتی جس پر اسفند یار نے اس سے کہا کہ وہ اپنا برا بھلا نہیں سمجھتی لہذا اگر اس نے طلاق نہ دی تو وہ عدالت کے ذریعے طلاق لے لیں گے۔ اسفند نے وکیل کی طرف سے نوٹس بھی بھجوایا تھا طلاق کا تو اس نے۔“

”تو ابی جان نے؟“ ایلیا کے بہتے آنسو کچھ دیر کے لیے خشک ہو گئے ”لیکن.....“ کیوں وہ سوچ میں ڈوبی پریشان نظروں سے ملک۔ آفتاب کو دیکھنے لگی۔

”میں خود سمجھ نہیں پا رہا کہ اسفند کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری چاپی بہت نرم امید تھی ایاز بھی ماں کی بات نہیں مان سکتا تھا پھر ایاز کو میتھی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں تمہارے لیے ایک نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا لیکن سب کچھ ختم ہو گیا۔“

”اب کچھ نہیں ہو سکتا؟“ چاپی نے پُر امید نظروں سے انہیں دیکھا۔

”نہیں۔“ ملک آفتاب مایوسی سے کرسی پر بیٹھ گئے۔

”اس نے جلد بازی میں تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دی ہیں اور ہمارے حق کی رو سے طلاق ہو گئی ہے جب کہ اسن طریقہ ایک ایک کر کے طلاق دینے کا تھا۔“

آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تینوں کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ملک آفتاب سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ چاپی کی کمرے میں سر رکھے وقفے وقفے سے روتی رہی۔ کمرے میں گاجر کا حلو ایونٹی بزار ہا۔ اس رات ان تینوں میں سے کسی نے کھانا نہیں کھایا۔

☆☆☆

اگلے تین دن بھی یونہی گزر گئے۔ وہ تینوں ایک دوسرے سے نظریں چراتے رہے۔ کسی نے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا بس چند لقمے کھا کر اٹھ کھڑے ہوتے۔ وہ سوچتی رہتی کہ وہ واپس نہیں جائے گی، یہاں ہی رہے گی اپنی مرضی سے وہ عاقل و بالغ لڑکی ہے اگر ابی جان نے سختی بھی کی تب بھی نہیں جائے گی لیکن جب چار دن بعد ابی جان اور چھوٹے بھیا سے لینے آئے تو وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔

”چلو، ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ ایاز نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ اب تمہارے یہاں رہنے کی کوئی نکتہ نہیں بنتی۔“ یہ اسفند یار تھے۔

”میں اپنے گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ فوق تھی۔ آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا ابی جان؟“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”یہ ظلم نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ہر طرح کے جذبات سے عاری۔

”ہم نے جو کچھ کیا ہے تمہاری بہتری کے لیے کیا ہے اب چلنے کی تیاری کرو۔“

”میں یہاں رہنا چاہتی ہوں؟“

”کس رشتے سے.....“ چھوٹے بھیا کے لیے میں مٹھ تھا۔ ”تمہارا ان سے اب کوئی رشتہ نہیں رہا اور ہم اتنے بے غیرت نہیں کہ طلاق کے بعد بھی تمہیں یہاں رہنے دیں۔“

”اسفند، ایلیا تمہاری بیٹی ہونے کے ناتے میری بیٹی بھی ہے۔ بہو کے ناتے نہ کسی اسی رشتے کے ناتے اسے یہاں رہنے دو کم از کم ایک سال اور اس کی گرجویشن مکمل ہو جائے تو لے جانا اسے۔“ آفتاب

کے لہجے میں التجا تھی۔

”کیوں، کیا ایاز کے سارے کالج بند ہو گئے؟“ اسفند یار کا لہجہ ٹیکھا تھا۔

”مجھے نہیں جانا واپس۔“ وہ یونہی بیٹھی رہی۔

”بکومت، اٹھو کچھ سامان لینا ہے تو لے لو۔“ اسفند یار نے اسے گھمراہ کیا۔

”اگر وہ نہیں جانا چاہتی تو تم اسے زبردستی نہیں لے جا سکتے۔ عاقل و بالغ ہے وہ۔“ ملک آفتاب کے کمرے میں پیش تھی جسے مخصوص کمرے اسفند یار بھڑک رہے تھے۔

”تم اسے روکو گے ملک؟“

”ہاں اگر یہ نہیں جانا چاہتی تو.....“

”کس رشتے سے کیا لگتی ہے یہ تمہاری کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟“

”کوئی رشتہ نہ ہو لیکن تم اس کی مرضی کے بغیر اسے لے جا سکتے اسفند میں پولیس کی مدد۔“

”کیا کہو گے تم پولیس سے؟“ اسفند عجیب طرح

”تم اسے روکو گے ملک؟“

”ہاں اگر یہ نہیں جانا چاہتی تو.....“

”کس رشتے سے کیا لگتی ہے یہ تمہاری کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟“

”کوئی رشتہ نہ ہو لیکن تم اس کی مرضی کے بغیر اسے لے جا سکتے اسفند میں پولیس کی مدد۔“

”کیا کہو گے تم پولیس سے؟“ اسفند عجیب طرح

”تم اسے روکو گے ملک؟“

”ہاں اگر یہ نہیں جانا چاہتی تو.....“

”کس رشتے سے کیا لگتی ہے یہ تمہاری کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟“

”کوئی رشتہ نہ ہو لیکن تم اس کی مرضی کے بغیر اسے لے جا سکتے اسفند میں پولیس کی مدد۔“

”کیا کہو گے تم پولیس سے؟“ اسفند عجیب طرح

”تم اسے روکو گے ملک؟“

”ہاں اگر یہ نہیں جانا چاہتی تو.....“

”کس رشتے سے کیا لگتی ہے یہ تمہاری کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟“

”کوئی رشتہ نہ ہو لیکن تم اس کی مرضی کے بغیر اسے لے جا سکتے اسفند میں پولیس کی مدد۔“

”کیا کہو گے تم پولیس سے؟“ اسفند عجیب طرح

”تم اسے روکو گے ملک؟“

”ہاں اگر یہ نہیں جانا چاہتی تو.....“

**WELCOME BOOKSHOP**

EQ BOX 27869 - KARAMA, DUBAI  
PHONE: 04-3961016 FAX: 04-3961015 CELL: 050-3059250  
E-mail: welbook@emirates.net.ae 050-5245817

ماہنامہ پاکیزہ

ماہنامہ سرگزشت

ماہنامہ دانش

ماہنامہ پاکیزہ

ماہنامہ سرگزشت

ماہنامہ دانش



کے نام پر سامان ہی کیا تھا چند جوڑے کپڑوں کے اور ایک دو ہلکے سے جیولری کے سیٹ۔ برتن اور فرنیچر کا ملک آفتاب نے منع کر دیا تھا۔ اسفند یار نے کہا تھا وہ بعد میں چیک دے دیں گے جو ابھی تک نہیں دیا گیا تھا۔ ہاں بری کے بھاری بھاری سیٹ چوڑیاں، کڑے، کنگن سب کچھ تھا جو ملک آفتاب نے لا کر سے نکال کر ایلیا کے حوالے کر دیا تھا۔

”یہ سب تمہارا ہے بیٹی تمہارا حق ہے شرعاً بھی اور قانوناً بھی اسے سنبھال کر رکھنا کبھی مشکل وقت میں کام آئے گا..... اور..... تمہارے حق مہر کی رقم پانچ لاکھ تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کر دادی تھی چیک بک ساتھ لے جانا اور لاہور میں اکاؤنٹ کھلوا کر وہ ٹرانسفر کر دالینا۔“ جب بتولاں کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آئی تو ملک آفتاب بھی اس کے ساتھ ہی آ گئے تھے۔

”بیٹی جو کچھ بھی لینا چاہو لے جاؤ۔“ تب پہلی بار اس نے جھکا ہوا سراٹھایا۔

”میری ماما کی تصاویر۔“ وہ خاموشی سے باہر نکل گئے اور پھر آ کر لفاذا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اپنی نگرانی میں انہوں نے اس کے کپڑے پیک کر دائے، زیورات کا بیک اس کے حوالے کیا اور جب اس کا ہاتھ تھامے باہر آئے تو ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ زبیدہ بیگم اسی طرح ساکت بیٹھی تھیں جب کہ اسفند یار اور چھوٹے بھیا کے چہرے پر اطمینان تھا۔

”آج کے بعد میرے اور تمہارے درمیان دوستی کا ہر رشتہ اور تعلق ختم ہو گیا ہے اسفند یار..... آج کے بعد مجھے یاد تک نہیں رہے گا کہ کبھی تمہارے نام کا کوئی شخص میرا دوست تھا جو لفظ تم نے اپنی زبان سے نکالے تھے اسی وقت سب تعلق ختم ہو گئے۔“

”بس یا اور کچھ.....“ اسفند یار چھوٹے بھیا کو اشارہ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ وہ یونہی کھڑی تھی اور اس کے پیچھے بتولاں کے ساتھ حفیظ اور مراد (جو کیدار اور مالی) ایچی کیس اٹھائے کھڑے تھے۔ بتولاں کے ہاتھ میں بیک تھا۔

”چلو۔“ انہوں نے ایلیا کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ ایلیا

یکدم ان سے بازو چھڑا کر چاچی کی طرف بھاگی۔

”چاچی۔“ وہ ان سے لپٹی رو رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ بتولاں حفیظ مراد سب کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ چاچی نے بڑی مشکل سے اسے خود سے الگ کیا تو وہ دوڑ کر انکل آفتاب سے لپٹ گئی۔ وہ بچلا ہونٹوں دانتوں تلے کچلتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

”ایلیا پلیز۔ بی ریکس چلو اب۔“ چھوٹے بھیا نے نرمی سے اسے الگ کیا۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ چلی ہوئی مڑ مڑ کر انہیں دیکھتی رہی بتولاں بیک اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بتولاں نے بیک اس کے حوالے کیا۔

”زیورات ہیں بی بی سنبھال کر رکھیے گا۔“ وہ غم آنکھوں سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ پوری کی سیرھیوں پر ملک آفتاب چاچی کو سہارا دے کھڑے تھے۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھتے ہوئے آنسو بہانے لگی اور چھوٹے بھیا تیزی سے گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گئے۔

☆☆☆

ایلیا نے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا وہ ہولے ہولے چلی ہوئی سیرھیوں تک آئی اور نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے بھی خاموشی تھی ”گویا سب اپنے اپنے کام پر جا چکے ہیں۔“ سیرھیوں کے پاس رک کر اس نے دوپٹا درست کیا اور نیچے اترنے لگی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی وہ یوں ہی کر رہی تھی جب سب ناشتا کر کے چلے جاتے تو وہ نیچے اترتی اور مونا یا بوا اس کا ناشتا بنا دیتے۔ ناشتا کر کے خاموشی سے کمرے میں آ جاتی۔

وہ جب نڈھال اور تھکی تھکی سی الی جان اور چھوٹے بھیا کے ساتھ لاہور پہنچی تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس کا کمرہ اس کے لیے خالی کیا جا چکا تھا۔ فی الحال گڑیا اپنے گھر گئی ہوئی تھی لیکن جب وہ واپس آئی تب بھی وہ اس کے کمرے میں ہی رہ رہی تھی۔ یہی نہیں روشنی بھابی شابی بھابی حتیٰ کہ چھوٹی امی بھی اس سے

بات کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور اسے ان کا یہ التفات حیران کر رہا تھا۔

کبھی شابی بھابی کبھی روشی بھابی اس کے کمرے میں بھی آ جاتیں لیکن اس کے باوجود وہ ذہنی طور پر ابھی تک اپ سیٹ تھی۔ رات کو بستر پر لیٹی تو آنکھیں خود بخود کھلی ہو جاتیں۔ مینا عادل نے دو تین بار فون کر کے اسے حوصلہ دیا تھا۔

”شاید اسی میں بہتری ہو مجھے تو بعد میں پتا چلا ورنہ کچھ کرتی۔“ وہ چپ چاپ مینا کے مشورے اور نصیحتیں سنتی رہتی اور رو دیتی اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ دو بار ملک آفتاب کا فون بھی آیا تھا۔

”کیسی ہو بیٹا پڑھائی مت چھوڑنا کوئی ایسا مسئلہ ہو کہ تمہیں میری ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے بتانا میں دیکھ لوں گا اسفند کو بھی اور..... اچھا لو یہ چاچی سے بات کرو۔“ اور وہ چاچی سے بات کرتی چاچی کی آواز سنتے ہی آنسو بے اختیار اٹھنے چلے آئے تھے وہ بس روئی ہی رہی۔

نیچے ٹی وی لاؤنج میں پہنچ کر اس نے سامنے کچن میں کام کرتے مونا کو آواز دی۔

”مونا میرے لیے چائے بنا دو۔“

”پراٹھا اور آلیٹ بنا دوں ساتھ میں؟“ اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

”نہیں صرف چائے۔“ اس نے سائنڈ ٹیبل سے اخبار اٹھایا اور بیٹھ گئی تھی اس نے پیچھے سے گیٹ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر قدموں کی آہٹ۔ ”شاید چھوٹی امی ہیں۔“ اس نے سوچا لیکن مڑ کر نہیں دیکھا۔۔۔ یہی قدموں کی آہٹ اس کے قریب رک گئی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ آرب مصطفیٰ کی آواز سن کر وہ چونکی اور اخبار اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا۔ اس نے جھک کر اخبار اٹھایا ایک لمحے کو اس کی نظریں سیاہ بند روم سلپر میں اس کے پاؤں پر پڑیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔



”میں نے پوچھا ہے کیسی ہیں آپ؟“ آرب مصطفیٰ نے اپنی بات دہرائی۔

”اچھی ہوں۔“ اس کی نظریں پھر سیاہ سیلپروں میں اس کے پیروں پر الجھ گئیں۔

”آپ کے ساتھ جو ہوا مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔“ اس نے یکا یک نگاہیں اٹھا کر یوں زخمی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس میں سارا قصور اسی کا ہو۔

”ایلیا۔“ وہ جیسے تڑپ سا اٹھا۔ ”میں نے بہر حال ایسا نہیں سوچا تھا میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی زندگی کا فیصلہ کریں اور خود کو کسی کے لیے قربان نہ کریں اپنے لیے بھی سوچیں۔ زندگی بہت خوبصورت ہے اور آپ کو زندگی میں بہت کچھ مل سکتا ہے۔“ ایلیا خاموش رہی اس نے پھر نظریں جھکالی تھیں۔

”آپ نے جب مجھے بتایا کہ بھائی جان یعنی آپ کے ابا جان نے ایاز کو مجبور کیا کہ وہ آپ کو طلاق دے۔۔۔ تو مجھے حقیقتاً دکھ ہوا جب انہوں نے زندگی بھر کبھی آپ کی ذات میں رتی بھر دلچسپی نہیں لی تو پھر اب کیوں آپ کی اچھی خاصی لائف کو ڈسٹرب کر دیا۔“ اس نے ایک طویل سانس لے کر بغور اسے دیکھا وہ سر جھکائے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

”بہر حال آپ کی عدت گزر چکی ہے۔ آپ کو اپنی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دینا چاہیے۔ اسے منقطع مت کیجیے گا۔ میں کل سا ہیوال جا رہا ہوں ملک صاحب سے مل کر آپ کے کالج جا کر سرٹیفیکیٹ وغیرہ لینا آؤں گا۔ باقی باتیں پھر۔“ وہ اس پر ایک گہری نظر ڈالتا جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے واپس چلا گیا۔ اس نے اپنے پیچھے گیٹ روم کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ جا چکا تھا لیکن بروئس کی خوشبو ابھی تک اس کے ارد گرد چکرار ہی تھی۔

”یہ چائے اور ایک سلائس بھی گرم کر دیا ہے۔“ ٹی وی الاؤنج کے کونے میں رکھی گول میز پر مونا نے چائے الا کر رکھی۔

”میرے ابا کہتے ہیں صبح صبح خالی پیٹ گرم چائے نہیں پینی چاہیے۔“

ایلیا اپنی جگہ سے اٹھ کر میز کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ خاموش طبع تو وہ پہلے بھی تھی لیکن اب تو اسے اور بھی چپ لگ گئی تھی۔

انڈا بوائے کر دوں۔“ مونا جھاڑن سے ٹی وی ٹرالی پونچھ رہا تھا۔

”نہیں۔“ ایلیا نے نفی میں سر ہلا دیا اور چائے کا کپ اٹھالیا۔

”ایلیا بی بی۔“ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور جھاڑن کندھے پر رکھ کر ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکا اور رازدارانہ انداز میں بولا۔

”بوا کہہ رہی تھیں کوئی جائداد کا چکر ہے اس لیے صاحب نے آپ کو طلاق دلوائی ہے تاکہ جائداد ان کے پاس رہے سب بڑے خوش ہیں پہلے تو آپ کو کمرے سے نکال دیا تھا لاؤنج میں سوتی تھیں آپ اور اب کیسے کمرہ خالی کر دیا گریڈ بی بی ہے۔“

”کیسی جائداد؟“ اس نے حیرانی سے مونا کی طرف دیکھا۔ ”پاگل ہو گئے ہوتے؟“

”بوا آجائیں قصور سے تو پوچھ لیجیے گا۔“ وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتا واپس کچن میں چلا گیا۔

”یہ مونا بھی بس کہانیاں بنانے میں ماہر ہے۔“

میری کون سی جائداد ہے بھلا اور پھر ابا جان کے پاس بھی کتنی بڑی جائداد ہے۔ یہ ایک گھر اور لوہاری گیٹ کے پاس چند دکانیں اگر شرعاً حصہ بھی نکالا جائے تو پانچ بہن بھائیوں اور چھوٹی امی کو ملا کر بھلا میرے حصے میں۔۔۔۔۔ آنا بھی کیا ہے اور ابا جان ایسے مذہبی ہیں بھی نہیں

کہ بیٹیوں کو جائداد سے شرعی حصہ دیں اور وہ بھی مجھے جسے جہیز کے نام پر بھی کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ میری امی کے زیور میں سے بھی کچھ نہیں۔ یہ کوئی اور ہی بات ہے شاید

چھوٹی امی زریاب خان سے میری شادی کرانا چاہتی ہیں انوشہ بتا رہی تھی کہ بے چارے بیمار ہیں اور بہو بیٹے پوچھتے تک نہیں۔ خدمت کے لیے بیوی کی ضرورت ہے انہیں۔“ وہ چائے پیتے ہوئے سوچتی رہی لیکن کوئی سرا



اس کے ہاتھ نہیں آیا۔ ہاں آ رہی مصطفیٰ کی بات پر اس نے عمل کرنے کا سوچ لیا تھا کہ اسے اپنی تعلیم مکمل کر لینی چاہیے۔ نینا اور انکل نے بھی کہا تھا۔

”میں انکل کو فون کر دوں گی کالج سے لیونگ سرٹیفکیٹ لے کر بھیج دیں۔ وہ فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔“ سب کے جانے کے بعد عمو جھوٹی ای اور بھابیوں کو جاتی تھیں پھر گیارہ بجے تک اٹھتی تھیں۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا وہ باہر لان میں چلی جائے لیکن پھر سردی کے خیال سے سیز حیاں چڑھنے لگی۔ وہ سارا سے چار ماہ سے زیادہ تر کمرے میں ہی وقت گزار رہی تھی۔ اوپر دونوں بھابیوں کے کمرے میں خاموشی تھی۔ گویا اپنے اپنے شوہروں اور بچوں کو بھیج کر وہ آرام کر رہی تھیں۔ کچھ دیر لاؤنج میں کھڑی رہی سوچا پی دی لگالے لیکن پھر اس نے پی دی لگانے کا ارادہ ہٹو کر دیا اور پی دی لاؤنج سے ہی اوپر چھت کی طرف جاتی سیز حیاں کی طرف بڑھ گئی۔ شادی سے پہلے وہ کبھی کبھی چھت پر چلی جایا کرتی تھی۔ اسے چھت پر سے آس پاس کی اور دور دراز کی عمارتوں کو دیکھنا اچھا لگتا تھا۔

”اوپر دھوپ ہو گئی۔“ اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔ جب وہ چھوٹی تھی تو کبھی بارش کی چھت پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ چھت پر بس ٹنکی تھی اور پوری چھت خالی تھی۔ چھوٹے بھیا پتنگ اڑاتے تو وہ ٹنکی کی چھت پر بیٹھ کر انہیں پتنگ اڑاتے دیکھتی رہتی۔ کبھی کبھی چھوٹے بھیا مونچ میں آتے تو اسے پتنگ پکڑا دیتے تھے۔ وہ بچپن کی باتیں یاد کرتی ہوئی سیز حیاں کے دروازے کے پاس پہنچ کر ایک لمحے کو ری دروازہ اکٹھ تھا لیکن چابی لٹک رہی تھی۔

”اوہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا تھا کہ دروازہ ہمیشہ اکٹھ رہتا تھا۔ چلو شکر سے چابی ساتھ ہی ہے۔“ دروازہ کھول کر وہ چھت پر چلی گئی۔ چھت پر سیز حیاں کے دائیں طرف ایک کمرہ اور کمرے کے آگے برآمدہ تھا۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ شاید یہ کمرہ اس کی شادی کے بعد بنایا گیا تھا۔ وہ اشتیاق سے برآمدے کی طرف بڑھی کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ ”بھابیہاں چھت پر یہ

کمرہ کس مصرف کے لیے بنایا گیا ہے“ مونا اور ڈرامیو تو سروٹ کو ارڈر میں رہتے تھے جب کہ بوا بچے پی دی لاؤنج میں ہی بستر بچھا کر سو جاتی تھیں ”ہو سکتا ہے یہ کمرہ بوا کے لیے بنایا گیا ہو۔“ کمرے کی کھلی کھڑکی کی طرف اچانک ہی اس کی نظر اٹھی تو وہ خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کھڑکی میں سے ایک بوڑھی عورت جھانک رہی تھی۔

”اے.....“ اس نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالا۔ ”مجھے بھوک لگی ہے کھانا دو۔“ وہ خوفزدہ ہو کر پٹی اور تقریباً بھاگتی ہوئی سیز حیاں کا دروازہ بند کرتی نیچے اتری اور بڑی تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ ٹنکی ہی دیر تک لیے لیے سانس لیتی رہی کچھ دیر بعد دل کی دھڑکن معمول پر آئی تو اس نے حیران ہو کر سوچا۔

”یہ عورت کون تھی؟ یاگل لگ رہی تھی شاید لیکن یہاں اوپر کمرے میں..... یہ کیا اصرار ہے۔ کس سے پوچھوں کون بتائے گا۔ انوشہ سے؟“ شابی بھابی سے یا..... بوا سے پوچھوں گی۔“ پہلے تو صرف چند دن رہ کر وہ ساہیوال چلی گئی تھی اور اب جب سے آئی تھی اپنے کمرے تک محدود تھی۔ ایک دو بار اس نے مونا کو کھانا ترے میں اٹھائے سیز حیاں کی طرف جاتے دیکھا تو تھا لیکن اس کا خیال تھا شاید دونوں بھابیوں یا ان کی بہنوں میں سے کسی کے لیے لے کر جا رہا ہے۔

”مونا۔ مونا سے پوچھتی ہوں بوا تو جانے کب آئیں گی قصور سے۔“ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ شابی بھابی کے کمرے سے پی دی کی آواز آرہی تھی لیکن دروازہ بند تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی ایک بار پھر سیز حیاں سے اترنے لگی۔ نیچے والا لاؤنج بنوڑ خالی تھا اور نیچے تھا بھی کون سوائے چھوٹی امی اور ان کے بھائی صاحب کے۔

”شاید لمبی چٹیموں پر آئے ہیں دو تین دنوں سے وہ آ رہے کے متعلق کوئی نہ کوئی بات سن رہی تھی کبھی انوشہ سے کبھی مونا سے لیکن سامنا آج ہی ہوا تھا۔ ادھر سے ادھر دیکھتے ہوئے وہ چکن میں چلی گئی۔

مونا تنگنا تے ہوئے برتن دھو رہا تھا۔ مونا آج بوا

نہیں ہیں تو مجھے ہتا دو میں سبزی وغیرہ کاٹ دیتی ہوں کیا پکنا ہے؟“ وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

”اوہ جی۔“ مونا نے خوش ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ”تا نہیں کیا پکنا ہے بارہ بجے بیگم صاحبہ انہیں گی تو ہتا نہیں گی ایک تو چکن ہی بنے گی اپنے بڑے صاحب تو چکن کے علاوہ کچھ کھاتے ہی نہیں ساتھ میں اور کیا بنانا ہے یہ تو اب بیگم صاحبہ ہی بتائیں گی۔“

”اچھا تو چکن نکال دو میں پکا دیتی ہوں کڑا ہی بنی ہے یا کچھ اور؟“

”وہ بھی جی بیگم صاحبہ ہی بتائیں گی۔ جب تک وہ انہیں گی برتن دھو کر بیگن صاف کر دوں گا۔“

”مونا یہ اوپر چھت پر کون ہے؟“ اس نے اچانک ہی پوچھا۔

”مجھ سے ہوگی چھت پر جھاڑو دینے چلی گئی ہوگی میراج کی صفائی کر کے۔“ اس نے برتن دھوتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

”نہیں مونا وہ ادھر کمرے میں؟“

”کمرے میں.....؟“ ہاتھ میں پکڑا چھچھ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ پورا کا پورا مڑ کر اٹلیا کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ اوپر چھت پر گئی تھیں؟“

”ہاں۔“

”لیکن کمرہ تو باہر سے بند ہوتا ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔

”کوئی بوڑھی عورت کھڑکی سے جھانک کر کھانا مانگ رہی تھی۔“

”اوہ!“ اس نے سر پر ہاتھ مارا اور جلدی سے ہاتھ دھو کر بھانڈوں سے پونچھے۔ ”میں تو آج ناشتا دینا ہی بھول گیا۔ بوانے اتنی تاکید کی تھی اس نے فوراً فریج سے آٹا نکالا اور چولیسے کی طرف مڑ گیا۔ تیزی سے تو نکال کر چولیسے پر رکھا اور بیڑا بنانے لگا۔

”باجی جی آپ ذرا آٹلیٹ کے لیے پیاز کاٹ کر انڈیا پیسٹ دیں۔ میں اتنے میں پراغٹا بنا لیتا ہوں۔“

”وہ تو میں کر دیتی ہوں مونا لیکن تم نے بتایا نہیں وہ کون ہے؟“ اٹلیا نے دھپسی سے اسے دیکھا۔

# زندگی بدلنے والی ورزش کی مشینیں

**KOREA ELECTRIC TREADMILL**  
The King of All Exercise Machines



آری ویلک جتنا بڑا، پرائیویٹ گھوڑا اور گھوڑے کے استعمال کیلئے

LG میٹر اور ورزشی طاقت اور اپنی مضبوط جاپانیز ٹیلٹ کے ساتھ

بھلاؤ قوت سروس اور پارٹس کی فراہمی کی ضمانت

**UNIQUE ELEPTICAL TRAINER**



ورزش کی مشینوں میں انقلابی اضافہ، جاگلک، ساکگلک، میٹری چڑھنے اور ٹنکی چلانے کی چار ورزشیں ایک ہی مشین میں۔ ایک حرکت میں جسم کے تمام حصوں کی ورزش، کم کو خوبصورت بنانے اور وزن کم کرنے کے لئے سوزوں ترین۔

یاد رکھئے ادائیگہ صحت برقرار رکھنے کے لئے چند صوف کی گھریلو ورزش کا کوئی نعم الہدی نہیں، ورزش کے کوئی نقص اثرات نہیں

## BILAL BROTHERS

Mustafa Arcade, SMCHS, Karachi. Tel: 4531961-62

**LAHORE**  
NABI BUX & SONS  
Tel: 7354004

**FAISALABAD**  
ELECTROLUXE  
Tel: 8541004-8543436

**PESHAWAR**  
RASHID SONS  
Tel: 5272823-5274931

**QUETTA**  
S. K. BUSINESS MART  
Tel: 2825564-2839082

Be Sure of our Prompt After Sales Service



”وہ.....ہاں وہ“

اس نے آواز آہستہ کر لی۔ ”بڑے صاحب کی پہلی بیوی ہیں۔ چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا کی امی مجھے بوانے بتایا تھا کہ ان کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا اس لیے وہ پاگل خانے میں تھیں اتنے عرصے سے پھر سال پہلے پاگل خانے والوں نے خط بھیجا تھا بڑے صاحب کو ان کی بیوی بہت بہتر ہیں لہذا انہیں گھر لے جائیں اور گھریلو ماحول دیں تو بالکل ٹھیک ہو جائیں گی تو بس بڑے بھیا جا کر لے آئے۔“ وہ ہولے ہولے رازدارانہ انداز میں بتا رہا تھا لیکن وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے ساکت کھڑی تھی۔

”تو کیا چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا میرے سگے بھائی نہیں ہیں۔ یا یہ میری امی..... نہیں“ اسے اپنی امی کی موت سب دھندلا دھندلا یاد تھا اور اس کی امی..... وہ اکثر رات کو ان کی تصاویر دیکھتی تھی تو یہ صرف بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کی امی ہیں..... تبھی تو بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا اتنے اجنبی سے ہو گئے ہیں ان کے دل سے میری محبت ختم ہو گئی ہے۔ کتنا روکھا روکھا رویتہ ہے ان کا لیکن مجھ سے تو کبھی کسی نے ذکر ہی نہیں کیا بوانے بھی نہیں۔“ آنسو اس کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔

موننا جلدی جلدی ٹرے میں ناشتا رکھ رہا تھا اسے خاموش دیکھ کر خود ہی انڈا پھینٹ کر آلیٹ بنا چکا تھا۔ موننا نے ٹرے اٹھائی تو یکدم بولی۔

”میں بھی چلوں تمہارے ساتھ؟“

”نہیں“ ناشتا لیٹ ہو گیا ہے تو ان کا موڈ خراب ہو گا پھر کبھی چلیے گا لیکن کسی کو بتائیے گا مت کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے۔ چھوٹے بھیا تو ہاتھ بھی اٹھا لیتے ہیں کبھی کبھی ہاں۔“ وہ ٹرے اٹھائے تیزی سے باہر نکل گیا وہ پھر اس طرح کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی

”تو اس پورے گھر میں کوئی بھی میرا سگا نہیں ہے..... ہاں الی جان لیکن وہ تو ماما کے بعد ہی بدل گئے تھے۔ جب امی کی ڈیوٹی تھی تو بڑے بھیا کتنا خیال رکھتے تھے اور تھوڑا بہت چھوٹے بھیا بھی لیکن پھر سب کچھ بدلتا چلا گیا سو جتنی بھی شادی کے بعد بھائی بدل تا

جایا کرتے ہیں لیکن موننا پتا نہیں سچ کہہ رہا تھا یا جھوٹ۔ جب امی زندہ تھیں تو اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اس روز جب وہ اسپتال گئی تھیں تو بڑے بھیا کو گلے لگا کر ان کی پیشانی چومی تھی، دھندلا دھندلا سا ایک تصور ذہن میں کہیں موجود تھا پھر بڑے بھیا.....“ آنسو آہستگی سے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

آرب موننا کو آواز دیتا ہوا کچن میں آیا۔ ”موننا یار ایک گلاس پانی دینا اور کھانا جلدی لگانا مجھے ایک بجے جانا ہے۔“ ایلیا نے جلدی سے آنسو پونچھے لیکن آرب کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔

”آپ رورہی ہیں؟“

”موننا اوپر گیا ہے۔“ ایلیا نے نظریں نہیں اٹھائیں۔

”ایلیا“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ ”رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے آپ کو بہادر بننا ہے۔ میرا اثر ان سفر یہاں ہو گیا ہے آج مجھے کسی کام سے ساہیوال جانا ہے دو دن تک واپسی ہوگی پر آپ کے ایڈمیشن کے لیے کچھ کرنا ہوں۔“ ایلیا اب بھی خاموش رہی۔ اسے آرب کی ہمدردی اور اس درجہ اپنائیت سے بات کرنے کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی۔ آرب نے اس کے بھیکے رخساروں پر ایک نظر ڈالی ریک سے گلاس اٹھایا اور فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی۔

”ایلیا۔“ گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔ ”آپ نہیں جانتیں آپ کا اس طرح رونا اور یہ بھگی پلکیں اور بھیکے رخسار کتنے دن مجھے ڈسٹرب رکھیں گے۔“

اس نے ایک جھٹکے سے سراٹھایا لیکن وہ گلاس اٹھا کر باہر جا چکا تھا۔ اس نے کچن کے دروازے سے نکلتے اور پھر اپنے کمرے میں جاتے دیکھا اور کچن ٹیبل کے پاس بڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ٹیبل پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں لیکن وہ روئے چلی گئی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں رورہی ہے لیکن آنسو تھے کہ اندھے چلے آ رہے تھے۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں



ایلیا پھر لڑکے کی طرف دیکھنے لگی جو پتنگ اڑانے میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب خوش ہو رہا تھا۔ ایلیا کا اسے انور کرنا شاید آرب مصطفیٰ کو اچھا نہیں لگا بھی ہونٹ پھپھتے ہوئے اس نے ایلیا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

”کیا ان سارے بیٹے دنوں میں آپ کو میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچا ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ سے ہمدردی کی ہے۔“

”میں اس ہمدردی کا شکریہ ادا کر چکی ہوں آپ میرے کاغذات الیہ ساہووال سے مجھے ایڈمیشن دلوا یا اس کے لیے میں آپ کی بہت ممنون ہوں اور مزید کیا چاہتے ہیں آپ؟“

”ایلیا آپ سب سے بدگمان ہیں اور ہوتا بھی چاہیے لیکن پلیز مجھے غلط مت سمجھیں۔ میں آپ کے



نورث

## ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

”ایلیا آپ آخر مجھ سے بھاگتی کیوں ہیں۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کو نقصان پہنچاؤں گا؟“ وہ چھت کی ریلنگ پر کھدیاں نکالے ساتھ والے گھر کی چھت پر کھڑے چھوٹے سے بچے کو پتنگ اڑا رہا تھا اور دُور سے اُلٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی جب آرب مصطفیٰ نے بالکل اچانک اس کے قریب آ کر کہا۔ وہ اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ اسے آرب کے قدموں کی آہٹ تک سنائی نہیں دی تھی۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بچے کی طرف دیکھنے لگی جواب دُور سے کھینچا تھا اور پتنگ اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”وجہ بتانا ضروری ہے کیا؟“ وہ مسکرایا۔

اگست 2007ء

156

ماہنامہ پاکیزہ



ساتھ مخلص ہوں اور اس وقت مجھے صرف آپ سے یہ کہنا تھا کہ پلیز کسی بھی کاغذ پر اگر بھائی جان بلال یا طلال آپ سے دستخط کرنے کے لیے کہیں تو مت کیجیے گا۔“ ایلیا نے چونک کر اسے دیکھا۔

اسے کالج جاتے ہوئے چھ سات ماہ ہو گئے تھے۔ کسی نے اس کے ایڈمیشن لینے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ آرب نے خاموشی سے آ کر اسے لیونگ سٹوفکیٹ دے دیا تھا اور کہا تھا کہ کل صبح وہ اسلامیہ کالج کو پروڈ آ جائے اس نے وہاں کی پرنسپل سے بات کر لی ہے۔ بس وہ پرنسپل سے مل لے اور بتادے کہ آرب مصطفیٰ نے بھیجا ہے۔ وہ آرب کے التفات پر حیران تو تھی لیکن اس وقت وہ اس کی مدد لینے پر مجبور تھی۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر اس نے بڑے بھیا کو مخاطب کیا تھا۔ ”بڑے بھیا آج آفس جاتے ہوئے مجھے ڈراپ کر دیجیے گا اسلامیہ کالج۔ میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں۔“

”ہاں ہاں لے جاؤں گا۔“

”اس طرح آدھا سال گزر جانے کے بعد ایڈمیشن نہیں ملتا۔“ شابی بھابی نے رائے دینا ضروری سمجھا تھا۔ ”میرے پاس لیونگ سٹوفکیٹ ہے۔ میں پرنسپل سے بات کر لوں گی اپنی مجبوری کی۔ اتنی انسانی ہمدردی تو ہوگی ان میں۔“

”کوئی مسئلہ ہوا تو مجھے بتانا میں کوشش کروں گا۔“ چھوٹے بھیا کی بات پر اسے حیرت ہوئی تھی۔

”لیکن اتنا پڑھ لکھ کر کیا کروگی؟ میرے خیال میں تو ایف۔ اے کر لیا ہے بہت ہے۔“ چھوٹی امی کو شاید یہ پسند نہیں آ رہا تھا کہ وہ کالج جائے۔

”ماما مجھے تو آپ کہتی ہیں کہ ڈاکٹر بنو نہیں تو ایم ایس سی کرنا۔ آج کل تو ہر لڑکی ماسٹر سے کم نہیں پڑھتی پھر ایلا کو کیوں منع کر رہی ہیں؟“ جلدی جلدی انڈا پھیلتی ہوئی انوشہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔ چھوٹی امی نے اسے گھور کر دیکھا۔ آرب مصطفیٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی جب کہ اس نے چہرہ جھکا کر مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

یوں اس کی پڑھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا عادل اور انکل آفتاب نے فون پر خوشی کا اظہار کیا تھا پڑھائی جاری رکھنے کی تاکید کی تھی۔ اسے ان دنوں سی باتیں حیران کرتی تھیں۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کا التفات ابی جان کا کبھی کبھار اس کی خیریت لینا۔ وہ ابھی تک اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ طلاق کیوں دلوائی گئی ہے۔ بوا سے بھی کچھ خاص نہیں ہو سکا تھا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے ایک اسفند یار کو بڑے بھیا سے کہتے سنا تھا کہ اگر ایلیا ہی رہی ساہیوال میں تو ساری جائیداد بھی وہاں جائے گی۔ وہ لوگ مالک بن جائیں گے۔

”لیکن بوا کون سی جائیداد.....؟“ اس کا خیال بوا اب اونچا سننے لگی ہیں۔ اس لیے کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہوگا۔ ”یہ تو مجھے معلوم نہیں.....؟“ اس روز اس کو بہت کریدا تھا۔

”سچی بات ہے بیٹا ہم تو اتنا نہیں جانتے“ میاں یہ ذرا سے تھے جب ہم اس گھر میں آئے تمہارے ابی جان نے کہا تھا بچوں کی والدہ بیمار ہاسپٹل میں ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے یہاں ہی رہنا ہوگا۔ اپنا آگے پیچھے تو کوئی تھا نہیں سوا ایک بیاہی بیٹی کے سوادھر ہی کے ہو رہے۔ ابھی آٹھ سال بھر بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک روز اسفند میاں تمہارا امی کے ساتھ آ گئے۔“

”یہ ثمرین ہیں بوا تمہاری بیگم صاحبہ۔“ ”اللہ بخشنے ثمرین بی بی بھی کیا چیز تھیں۔“ صورت تو اللہ نے ایسی پیاری دی تھی۔ اس پر طلال سیرت چند ہی دنوں میں سب گرویدہ ہو گئے۔ بلال کسی سے سنبھلتا نہ تھا۔ ضدی اور چڑچڑا اب ثمرین بی بی کا پلو تھا بے ان کے ساتھ ساتھ پھرتا رہتا۔ سچ تو یہ ہے سالوں میں ثمرین بی بی نے بلال اور طلال دونوں کو اتنی دیکھ دی اتنا خیال رکھا ان کا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کی سگی اولاد نہیں ہے۔“

”امی کے میکے سے کبھی کوئی نہیں آیا ملنے؟“ ”ملک صاحب ہی آتے تھے ایک بار ثمرین بی بی



نے ذکر کیا تھا کہ ان کی پیدائش پر ہی ان کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔ نانا، نانی نے پالا تھا۔  
”تو نانا، نانی.....؟“

”شاید وہ بھی وفات پا گئے ہوں۔“ بوانے خیال ملا ہر کیا۔

”اور امی کے ابو۔“

”شرین بی بی نے ایک بار بتایا تھا کہ وہ دوسری شادی کر کے کسی دوسرے ملک میں سیٹل ہو گئے تھے پھر وہ بھی پاکستان آئے اور نہ رابطہ رکھا۔“

اس روز وہ بے تحاشا اداس رہی تھی۔ کاش اس کے نانا ابو بھی پاکستان آ جائیں اپنی نواسی کو ڈھونڈنے، مائیں وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں اور امی کے نانا، نانی تو یقیناً وفات پا چکے ہوں گے بھی تو آفتاب انکل نے امی کی شادی اپنے گھر سے کی تھی۔ کاش کوئی کہیں ہوتا اس کا اپنا بہت اپنا۔

”ایلیا آپ نے میری بات سمجھ لی ہے نا؟“  
ارب مصطفیٰ نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو اس نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔

”آخر میرے کہیں دستخط کرنے یا نہ کرنے سے آپ کا کیا نقصان ہے؟“

”میرا تو نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا نقصان نہ ہو جائے۔“ اس کی خوبصورت آنکھوں پر لمحے کو اس کی نظریں ٹھہریں۔

”کیا آپ کو چھوٹی امی نے کہا ہے کہ.....؟“

”اوہ مائی گاڈ! ایلیا آپ بہت ہی غلط سمجھ رہی ہیں حیرت ہے ابھی تک آپ مجھے نہیں سمجھ سکیں اور نہ آپ نے میرے کسی لفظ یا جملوں کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کی۔ کیا آپ ہمیشہ مجھے اپنی چھوٹی امی کا بھائی کی سزا دیتی رہیں گی۔“

”مگر میں نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا۔“ ایلیا نے قدر حیرت اور معصومیت سے کہا۔

”ایلیا.....“ اس نے ایک گہری سانس لی۔

”میرا خیال ہے آج میں آپ سے وہ بات کر ہی

لوں جو پتا نہیں مجھے کرنی چاہیے یا نہیں پھر شاید مجھے موقع نہ ملے۔ شاید آپ مجھ پر اعتبار بھی کر لیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا کبھی آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے آپ سے دلچسپی کیوں ہے اور میں نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے جانے کے بعد اس گھر میں سب سے زیادہ میں نے آپ کو یاد کیا۔ آپ کو حیرت بھی ہوئی تھی کہ جب آپ یہاں تھیں تو میری آپ سے کبھی بات چیت نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ مجھے اس طرف جانے سے بھی منع کر دیتی تھیں جہاں آپ ہوتی تھیں۔“ وہ تھوڑا سا مسکرایا۔

”حالانکہ ان دنوں جب آپ کی شادی ہوئی تو میں ایک دوبار آپ کو دیکھ کر چونکا۔ میرا جی بھی چاہا کہ میں اس بے حد ذہین اور پیاری لڑکی سے بات کر کے دیکھوں اور شاید آپ کے سامنے بھی ایک دوبار میں نے آپ کی تعریف کر دی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا ایلیا کہ میری عام سی کہی بات آپ کے راستے میں کانٹے بو دے گی جب آپ کی شادی ہوئی تو میں یہاں نہیں تھا جب آیا تو جو بات مجھے پتا چلی وہ میرے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ نے بھائی جان سے کہا ہے کہ آپ.....“ وہ جھجکا ”کہ آپ کا کیریئر..... اور یہ کہ آپ مجھ پر ڈورے ڈال رہی ہیں اور ثبوت کے لیے آپ نے آپ کی طرف سے میرے نام لکھے خطوط بھائی جان کو دکھائے اور یہ مشورہ دیا کہ فوراً آپ کی شادی کر دی جائے ورنہ میری طرف سے مایوس ہو کر آپ کہیں کوئی اور گل نہ کھلا دیں۔“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آرب کو دیکھ رہی تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ چھوٹی امی نے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔

”کاش مجھے پہلے پتا چل جاتا تو میں بھائی جان کو تیار کر کے ایسا کچھ نہیں تھا انہیں کوئی فیصلہ کرنے سے روک دیتا۔“ آرب کے لہجے میں تاسف تھا۔

”اور بعد میں آپ نے ابی جان کے سامنے میری صفائی پیش نہیں کی وہ ابھی تک مجھے.....“

”نہیں ایلیا، میں نے اسی وقت بھائی جان سے بات کی تھی کہ ایلیا نے تو کبھی مجھ سے بات تک نہیں کی



اور آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے۔“

”پھر بھی..... پھر بھی انہوں نے چار سالوں میں کبھی مجھے فون تک نہیں کیا۔ میرے آنے پر مجھ سے بات تک نہیں کی۔“

”ہاں کیونکہ انہوں نے مجھ سے کہا ”میں جانتا ہوں کہ اسے تم سے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کبھی اسی لیے تو تمہارے نام وہ غلط خط لکھے۔ وہ تو شکر ہے تمہاری آپا جان کے ہاتھ لگ گئے ورنہ.....“

”اور ایلیا جب میں نے آپا سے کہا کہ مجھے وہ خط دکھائیں تو انہوں نے کہا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اس بدنامی کے پلندے کو سنبھال کر رکھ لیتی جاؤں سب۔“

”میرے پاس اب کوئی ثبوت نہیں تھا میں بلال اور طلال کو وہ خطوط دکھا کر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ تمہاری رائٹنگ نہیں ہے۔ میں تمہارے کمرے سے تمہاری فائل اٹھالایا تھا لیکن.....“

”آپ کو کیوں یقین تھا کہ وہ خط میں نے نہیں لکھے تھے۔“ ایلیا کو خود اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

”اس لیے کہ آپ اتنی سہی سہی رہتی تھیں اور مجھے پتا نہیں کیوں یقین تھا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں اپنی آپا کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ روایتی سوتیلی ماں تھیں اور آپ سے شدید نفرت کرتی تھیں۔ میں دل ہی دل میں شرمندہ ہوتا رہتا تھا کہ میری وجہ سے آپ کی تعلیم ناممکن رہ گئی۔ ہاں یہ اطمینان ضرور تھا کہ آپ کی شادی ایک اچھے شخص سے ہوئی ہے۔ آفتاب ملک کا گھرانہ ایک بہترین گھرانہ ہے۔ اللہ نے آپ کی مدد کی تھی۔ آپ بے گناہ تھیں، معصوم تھیں آفتاب ملک کی اچانک آمد اور بھائی جان سے ساری بات سننے کے بعد انہوں نے فوراً ہی آپ کو مانگ لیا اور آپ زریاب خان سے بچ گئیں۔“

”کیا انکل کو یہ سب پتا تھا؟“ اس نے مری مری آواز میں پوچھا۔

”ہاں..... اب آپ کی سمجھ میں آیا کہ آپ سے میری دلچسپی کی وجہ کیا تھی۔ میں بھی کبھی اس قصور پر نادم

ہو جاتا تھا جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔ میں اگر یہاں نہ رہتا ہوتا آپا کے پاس تو پھر شاید آپ کے ساتھ ایسا نہ ہوتا..... مجھے آپ کی تعلیم کے ادھورا رہ جانے کا بہت افسوس تھا کیونکہ ایک بار میں نے آپ کو بڑے بھیا سے اپنی تعلیم کے حوالے سے بات کرتے سنا تھا آپ بہت زیادہ پڑھنا چاہتی تھیں۔ آپ کے خواب.....“ ایلیا کو لگا جیسے کوئی اس کا دل چیرے جا رہا ہو۔

”جب آپ واپس آئیں اور میں نے سب کا رویہ دیکھا آپ کے ساتھ..... اور آپ کی آنکھوں میں ٹھہری اداسی تو میں چونکا کہیں کچھ غلط ہے آپ شاید خوش نہیں ہیں۔ مجھے لگا جیسے آپ تنہا ہیں کسی دوست کی ضرورت ہے آپ کو..... لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ مجھے دوست نہیں سمجھ سکتیں پھر یہ سانحہ ہو گیا اور میں آپ کو بہت زیادہ سوچنے لگا۔“ ایلیا نے سر جھکا لیا تھا اور آنکھوں میں آنی نمی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”خیر یہ باتیں پھر بھی ہوں گی۔ اس وقت تو میں آپ کو یہ کہہ رہا تھا کہ دستخط.....!“

”لیکن وہ تو میں نے کر دیے۔“ اس کے لبوں سے بے اختیار لگا۔

”کیا.....! کر دیے پڑھے تھے کیسے پیر تھے؟“

”نہیں۔“ اس نے نگاہیں نہیں اٹھائیں۔

”ابی جان نے کہا تھا مختار نامہ ہے۔“

”کس بات کا مختار نامہ؟ کیا آپ نے پوچھا تھا؟“

”نہیں.....“ وہ دھیرے سے بولی۔

”کس قدر حلق ہیں آپ.....!“ آرب نے جھنجھلا کر کہا۔

”اس میں حماقت کی کیا بات ہے؟“

”ایلیا آپ نہیں سمجھ رہے ہیں کہیں کچھ گڑبڑ ہے۔“

”تک آپا نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی لیکن وہ عرصے تک مجھ سے کوئی بات نہیں چھپا سکتیں جلد ہی مجھے پتا چل جائے گا۔ یہ تو مجھے انوشہ نے بتایا تھا کہ آپ کے نام کچھ جائداد ہے۔ ایلیا آپ کی ماما کی کوئی جائداد بھی تھی۔“

”میرے خیال میں تو نہیں۔“ وہ ہولے

ہنسی۔ ”میں کوئی کسی ملک کی شہزادی نہیں ہوں۔ امی کے والدین کا تو انتقال ہو چکا تھا انکل آفتاب نے ان کی شادی کی تھی۔“

”ادہ..... پھر یہ کیا چکر ہے؟ خیر آپ آئندہ مزید کسی پیپر پر دستخط مت کیجیے گا اور یوں اس طرح آپ اوپر نہ آیا کریں خدا نخواستہ.....!“ اس نے مزکر بند کمرے کی طرف دیکھا۔ کھڑکی کھلی تھی اور سامنے بیڈ پر کرڈٹ کے بل لیٹی ہوئی عورت کھلی کھڑکی سے نظر آرہی تھی۔

”نہیں یہ خطرناک نہیں ہیں۔“

”ادہ کے“ میں اب چلتا ہوں۔ میرا یہاں زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں ہے آپ کے لیے۔ اچانک کوئی آ بھی سکتا ہے۔“ وہ مڑا۔

ایلیا نے آج کالج سے چھٹی کی تھی چھوٹی امی، ٹالی بھائی اور روشی بھائی کے ساتھ کہیں تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھیں جب کہ گڑیا، اسما اور انوشہ وغیرہ اپنے اپنے کالج اور اسکول گئی تھیں۔ وہ بڑے بھیا کی امی سے ملنے اور پر آئی تھی لیکن وہ سو رہی تھیں اس لیے وہ ریلنگ کے پاس کھڑے ہو کر اس بچے کو دیکھنے لگی تھی۔

”ایلیا زندگی کسی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمیں پتا نہیں چلتا لیکن بہت ساری خوشیاں مارے آس پاس ہی بکھری ہوئی ہیں۔ بس انہیں سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔“ ایلیا نے اس کی بات سن لی لیکن اس کے لفظوں پر غور نہیں کیا اس کے دل پر ایک ہی جیسے دکھ کا ایک بھاری بوجھ آگرا تھا۔ چھوٹی امی نے ایسا کیا۔ ابی جان نے ایسا سمجھا..... اور انکل اب..... یکا یک اس کے دل میں ان کے لیے موجود دنیا میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ کیا دنیا میں ان جیسے لوگ آتے ہیں اور انہوں نے ایک بار بھی نہیں بتایا۔ یاد آیا کہ جب انکل نے اسے بلایا تھا تو آرب کے پاس پوچھا تھا کہ وہ اسے کیسا لگتا ہے۔ شاید وہ سچ جانتا ہے۔

”اے.....“ وہ عورت کھڑکی میں کھڑی تھی ایلیا ہولے ہولے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی اور



مکرا نے کی کوشش کی۔

”السلام علیکم ای جان!“ عورت نے سر ہلایا وہ اسے محبت سے دیکھ رہی تھی۔

”آؤ نا اندر۔“ عورت نے بے حد پیار سے بلایا۔

”تو ابی جان نے چھوٹی امی کی بات پر یقین کر لیا۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ سچ کیا ہے۔“ وہ سوچ رہی تھی۔۔۔ آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

”تو ایلیا اسفند یار یہ تھی تمہاری اوقات کہ تمہارے سگے باپ نے تم سے یہ تک پوچھنا گوارا نہیں کیا کہ وہ جرم جو تم پر عائد کیا جا رہا ہے آیا تم نے وہ جرم کیا بھی ہے یا نہیں اور سزا اسنادی کی۔“ کل کے مجرم کو بھی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے لیکن۔۔۔

”تم کیوں رو رہی ہو؟ تم نہ رو۔“ عورت اسے روتے دیکھ کر بے چین ہو گئی تھی۔ اس نے گرل سے ہاتھ باہر نکالنے کی کوشش کی جیسے وہ اس کے آنسو پونچھنا چاہتی ہو۔ پہلی بار جب وہ بوا کے ساتھ اندر گھرے میں گئی تھی تو اندر سے ٹھوڑی ٹھوڑی خوفزدہ تھی حالانکہ بوانے اسے بتایا تھا کہ وہ کچھ نہیں کہیں جب سے آئی ہیں دو تین بار ہی دورہ بڑا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

”تم کون ہو؟“

”آپ کی بیٹی ہوں۔“

”اچھا!“ عورت کے ہونٹوں پر پہلے مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر آنکھوں میں الجھن نظر آنے لگی تھی۔ ”لیکن تم تو مر گئی تھیں جب اتنی سی تھیں۔۔۔“ ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ”شاید میں نے خواب دیکھا تھا کہ تم مر گئی ہو۔ چھوٹی سی عمر میں ہی لیکن تم اتنے دنوں سے کہاں تھیں میرے پاس کیوں نہیں آئی تھیں؟“

”بی بی جی ان کی تو شادی ہو گئی تھی یہ امریکا چلی گئی تھیں شادی کے بعد اب آئی ہیں۔“ بوانے بتایا۔

”اچھا اچھا میں اسپتال میں تھی نا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ تمہارے ابو نے تمہاری شادی کر دی ہوگی۔ دیکھو

اب تو میں ٹھیک ہوں اپنے ابو سے کہو مجھے گھر لے جائیں۔ یہ جو تمہارا بھائی ہے نا بولو یہ مجھے اس اسپتال سے لے آیا ہے۔ یہ اچھا اسپتال نہیں ہے نا؟“

ہاں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”تم مجھے امریکا لے جاؤ اپنے ساتھ۔ میں وہاں تمہارے کام کروں گی۔ تمہارے بچوں کو تنہاؤں کی۔

ان کے کپڑے دھوؤں گی۔“ پھر جیسے اچانک کچھ یاد آیا۔

”تمہارے بچے کہاں ہیں؟“

”نہیں ہیں۔“

”اوہ“ وہ تاسف سے اسے دیکھنے لگیں پھر اپنا ہاتھ اس کے قریب لے جا کر سرگوشی میں پوچھا۔

”سسرال والے اور شوہر تو کچھ نہیں کہتا نا۔۔۔“

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلادیا وہ اسے ہاتھ مار لگ رہی تھیں۔ جب وہ جانے کے لیے اٹھی تو وہ رونے والی ہو گئیں۔

”مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تم تو میری بیٹی ہو نا۔ رہنمائی تو ماؤں کی ہوتی ہے نا مجھے ڈر لگتا ہے رات کو۔“

لیکن وہ انہیں اداس چھوڑ کر آگئی تھی پھر کہنے لگی

دن وہ بے حد اداس رہی۔ اسے لگ جیسے فائنیشن ہاؤس کے ڈاکٹرز نے سچ کہا تھا کہ انہیں گھریلو ماحول کی ضرورت ہے لیکن یہ گھریلو ماحول تو نہ تھا بلکہ قید خانہ جہاں تین وقت کا کھانا دے دیا جاتا تھا صرف جب بھی موقع ملتا بوا کے ساتھ چلی جاتی، ان کی کبھی کبھی کپڑے تبدیل کرواتی اور یوں ہی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہتی اسے ان سے ماں کی خوشبو آنے لگی تھی۔ وہ کبھی اس کے ہاتھ چوم لیتیں کبھی پیٹتی، کبھی گلے سے لگاتیں۔ مختلف مشورے دیتیں کہ فلاں کے پاس جاؤ فلاں ڈاکٹر بہت ماہر ہے۔ وہ اسے کہیں سے بھی پاگل نظر نہیں آتی تھیں۔ کبھی کبھار ایک دو جملے ایسے کہ جاتیں جو انہیں پاگل ظاہر کرتے تھے ورنہ عام طور پر نارل ہی ہوتی تھیں۔ بوا سے ہی اسے پتا چلا تھا کہ بوال کے بعد ان کی ایک بیٹی ہوئی تھی جو چند دن کی ہو کر مر گئی تھی۔ ان دنوں ان کی ذہنی حالت خراب ہو رہی تھی

ایسی حالت میں پیدا ہوئی تھی۔

”لیکن اس پاگل پن کی وجہ؟“ اس نے پوچھا

”اللہ جانے بچی تیرے ابی جان کو میں نے کہتے تھا یہ پاگل پن کی بیماری موروثی ہے ان کے خاندان کی۔ ہائی انسانی دماغ کا کیا پتا کہ کب اس میں کیا فتور ہو جائے۔“

کی بار اس کا جی چاہا تھا کہ وہ بڑے بھیا سے

کہہ کرے ان سے کہے کہ وہ امی جان کو یوں الگ الگ نہ رکھیں۔ سب کے درمیان نارمل زندگی گزارنے دیں لیکن پھر بڑے بھیا سے بات کرنے کی

جگہ نہ ہوئی۔ ان دنوں پتا نہیں کیوں بڑے بھیا غصے کر رہے تھے۔ ایک دوبار اس نے انہیں شابلی بھابی

مراد کرتے ہوئے بھی سنا تھا۔

”تم نہ رونا میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ چپ کر

بھری بیٹی۔“ انہوں نے اسے پکارا تو باتیں ہاتھ کی

جگہ سے اس نے آنسو پونچھے۔

”مجھے بتاؤ کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے میں اس کی

”نہیں“ مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔“ اس نے جلدی

کہا۔

”سر میں درد ہے۔“

”ادھر آؤ اندر میں تمہارا سر دبا دوں گی۔“ وہ پیار

بولیں۔

”دم کروں گی تو درد ٹھیک ہو جائے گا آؤ نا۔“

اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

”اس بڑھی سے کہو نا آکر دروازہ کھول دے۔“

اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ ایلیا اچھا کہتے ہوئے مڑی اور

ہاتھ کی مٹھی کھول کر چابی کو دیکھا پھر تیزی

سے دروازے کی چابی چلی گئی۔ لاؤنج میں آکر اس نے

والی وی ٹرائی کی دراز میں رکھی اور تیزی سے اپنے

سرے میں چلی گئی۔ وہ رونا چاہ رہی تھی۔ دل کسی

والی بوجھ تلے دبا تھا۔ جب بھی اس کا جی چاہتا تھا وہ

والے لے کر اوپر چلا جاتی تھی ایسا بڑی امی سے ڈر بھی

نہیں لگتا تھا اور وہ انہیں بڑی امی کہہ کر ہی بلا سکتی تھی۔ بوجھ نے اسے بتا دیا تھا کہ امی کے کمرے کی چابی بیباں دروازے میں ہوتی ہے۔

”آخر میں کیوں اس دنیا میں آئی؟“ ہنر پر ہنر کر روتے ہوئے اس نے کتنی ہی بار سوچا۔ ”کسی کو میری چاہ نہیں ہے اور کوئی میرا اپنا نہیں ہے اگر آفتاب انکل اس روز نہ آتے اور مجھ سے ہمدردی نہ کرتے تو میں اس ستر

سالہ زریاب خان کی ٹھوکریں کھا رہی ہوتی۔“ روتے روتے اس نے جھرجھری لی۔

”آپ اتنی مایوس کیوں ہیں ایلیا؟“ ایک گھبرا

آواز کانوں میں گونجی تھی۔

”کوئی آپ کا منتظر ہے۔ خوشیاں تو آپ کے

قریب بکھری پڑی ہیں۔ بس انہیں کھونچنے کی ضرورت

ہے۔“ دل کے اندر کہیں گہرائی میں ایک انوکھا سا

احساس ابھرا تو وہ روتے روتے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”آر ب مصطفیٰ۔۔۔ نہیں بھلا میرا آر ب مصطفیٰ

کا کیا ساتھ۔ گویا چھوٹی امی کی بات سچ ثابت ہو

جائے۔“ اندر چلنے والی روشنی کی سنسلی سی روشنی بھڑک کر

بجھ گئی۔

”زندگی صرف ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔“

اندر پھر آوازیں گونجنے لگی تھیں اس نے گھبرا کر سیل فون

اٹھایا اور آفتاب ملک کا نمبر ملایا۔

”انکل یہ میں ہوں ایلیا۔“

”ایلا بچے کیا ہوا یہ تمہاری آواز تم رو رہی ہو؟“

وہ یکدم گھبرا گئے تھے۔

”انکل۔“ اس نے پھر اٹھ آنے والے آنسوؤں

کو پونچھا۔

”انکل کیا میری امی کی کوئی پرسنل پراپرٹی بھی

تھی؟“

”ہیم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ انہیں حیرت ہوئی۔

”ان کے والدین وفات پا چکے تھے آپ نے

ان کی شادی اپنے گھر سے کی ان کے والدین کی کوئی

پراپرٹی تو ہوگی نا زیادہ نہ کسی گھر تو ہوگا ان کا اور ظاہر

ہے وہ ماما کو ہی ملنا تھا نا۔“ وہ لمحہ بھر خاموش ہو گئے پھر



دائمی مکتبہ



دنوں اسفند یار کی چچا سے لڑائی ہو گئی تو وہ ان سے ناراض ہو کر ملتان ماموں کے گھر آ گیا اور یوں ایک بار پھر وہ اور ثمر اکھٹے ہو گئے۔ ثمرین ان دنوں بی اے کر رہی تھی۔ اسفند نے ثمر کے سانھل کر اپنا کاروبار شروع کیا تھا وہ چچا سے الگ اپنا کام کرنا چاہتا تھا۔ کام چل پڑا تھا دونوں ہی خوش تھے مگر جیسا کہ میں نے بتایا اسفند کے مزاج میں تیزی بہت تھی۔ ماموں نے سمجھایا کہ ماں اکیلی تمہارے بچوں کو نہیں سنبھال سکتی۔ تم لاہور ہی جا کر کام سیٹ کر دو تو وہ ان سے ناراض ہو کر ثمر کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اس کے لیے گھر تلاش کر دے گرائے گا۔

”یہ ہماری اتنی بڑی حویلی ہے اس میں ایک تیرے اکیلے کے لیے جگہ نہیں۔“ ثمر نے بے حد خلوص سے اسے اپنے گھر رہنے کی آفر کی

”وہ ایک سال وہاں رہا۔ اس کے اور ثمرین کے درمیان انڈرا سٹینڈنگ کب اور کیسے ہوئی مجھے نہیں معلوم لیکن ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔“

”میں ثمرین سے محبت کرنے لگا ہوں۔“ میں نے اسے سمجھایا۔ تم ایک شادی شدہ شخص ہو۔ تمہارے دو بیٹے ہیں بلکہ تین بچوں کے باپ بن چکے ہو۔ بیٹی چند گھنٹے زندہ رہ کر مر چکی تھی اور ثمرین..... مجھے تو ابھی تک یاد ہے کہ وہ دو پونیاں کیے ثمر سے لاڈ کر رہی ہوتی تھی۔“

”لیکن اب وہ بچی نہیں ہے اور وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگی ہے تم ثمر سے بات کرو۔“

”نہیں“ میں کس طرح..... ثمر کیا کہے گا کہ تم نے اس کے گھر میں رہ کر..... نہیں اسفند یا تم اس کا خیال دل سے نکال دو۔“

”وہ کچھ خفا سا اٹھ کر چلا گیا۔ دوسرے دن اس کی والدہ کی وفات کی خبر آ گئی۔ میں اور ثمر بھی لاہور اس کے ساتھ ہی گئے تھے۔ لاہور سے واپس آ کر میں کراچی چلا گیا۔ میرے بہنوئی وہاں اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد میں واپس آیا تو ایک دن ثمر میرے پاس آیا۔ بہت پریشان۔“

”آفتاب اسفند یار نے میری معصوم بھانجی کو جانے کیا پی پی پٹائی ہے کہ وہ.....“ اسے بات کا مشکل ہو رہی تھی

”بابا جان نے انکار کر دیا۔ ہے یہ کیسے ممکن آفتاب ثمرین!..... اور وہ دو بچوں کا باپ پھر اسی برادری..... اور ثمرین نے رورو کر برا حال کر لیا ہے۔ ہی اسے سمجھاؤ ثمری بات تو مانتی ہے، تمہیں بھائی کی ہے۔ بابا جان کا پریشہ بہت ہائی، ہو رہا ہے۔“

لیکن ثمرین پر میرے سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس نے جو نکشاف کیا اس نے مجھے کچھ دیر کو ساکت کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اور اسفند نکاح کر چکے ہیں۔ یہ بات جب بابا جان ملک حیات خان کو چلی تو انہوں نے ثمر سے کہا

”اسفند کو بلاؤ اور اس سے کہو اپنی بیوی کو آ لے جائے۔ ابھی اسی وقت صرف تین کپڑوں میں آج سے ہمارا اس سے ہر تعلق ہر رشتہ ختم۔“

”تب میں ثمرین کو اپنے گھر لے آیا اور میں نے اسے اپنے گھر سے رخصت کیا۔ ثمر آیا تھا رخصتی کے دن اور اس نے ثمرین سے کہا تھا۔ ہم نے تمہارے بہت سارے خواب دیکھے تھے۔ تم نے سارے خوابوں کو چچی کر چکی کر دیا۔ یہ کر چیاں ہمیشہ ہمیں لہو لہان کر رہیں گی۔ آفتاب نہ ہوتا تو تم اس طرح عزت و احترام سے رخصت بھی نہ ہوتیں۔ ثمرین تم نے ہمیں جیتے ہی دیا۔ بابا جان تمہیں کس شان سے رخصت کرتے اندازہ نہیں کر سکتیں۔ یہ میری طرف سے چیک پندرہ لاکھ کا..... میں نہیں چاہتا کہ تم بالکل خالی جاؤ۔“

”ثمرین چیک لینا نہیں چاہتی تھی لیکن اس نے وہ چیک لے لیا۔“

”وہ..... وہ لوگ کہاں اب؟“ ایلیا کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ کوئی تھا اس نیا میں کہیں کوئی اس کا اپنا۔

”پتا نہیں بیٹا۔“ آفتاب یکدم تھکے تھکے نظر آنے لگے تھے۔



”شر حیات خان کچھ ہی عرصے بعد کراچی شفٹ ہو گیا تھا۔ مجھ سے اس نے کہا تھا۔“

”آفتاب تم بہت اچھے دوست تھے ہو لیکن تم ہمیں کبھی کھوجنے کی اور ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہیں دیکھ کر زخم ہرے ہو جائیں گے۔ سب یاد آئے گا اور ہم سب بھلا دینا چاہتے ہیں۔“ میں ایک دو بار ملتان گیا لیکن گھر میں صرف ملازمین تھے۔“

”اور امی..... امی جان نے کبھی یاد کیا انہیں کبھی پچھتا نہیں۔“ ایلیا کے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

”شرین کو نور اسی احساس ہو گیا تھا کہ جذبات میں آکر اس نے جو کیا وہ غلط تھا۔ ہر وقت روتی تھی۔ بہت یاد کرتی تھی اسی لیے تو اتنی کم عمری میں دل کی مریض بن گئی تھی لیکن اس نے اسفند کو اور طلال اور بلال کو کبھی احساس نہیں ہونے دیا۔ دونوں بچوں سے بے حد محبت کی وہ بھی اس کے دیوانے تھے۔“

”یہ تھے وہ سارے حالات جو تم نہیں جانتی تھیں اور اب تم نے جو سوال کیا تھا اس کا جواب۔ تمہاری امی کے نانا کی بے حساب پر اپنی تھی۔ شر اور تمہاری نانی ہی وارث تھے۔ تمہاری نانی کی وفات کے بعد شرین اور شر“

”لیکن انگل.....“ اس نے اپنے آنسو پونچھے۔

”نانا جان نے تو میری امی سے ہر تعلق ختم کر دیا تھا۔“

”ہاں لیکن شرعا تو اپنی ماں کے حصے کی شرین وارث تھی۔ ہو سکتا ہے ملک حیات خان دنیا میں نہ رہے ہوں اور ان کے بعد شر نے سوچا ہو کہ وہ شرین کو اس کا حق دے دے۔ شر بہت نازک احساسات رکھنے والا لڑکا تھا بہت پیاری نیچر کا۔“

”بے بی.....“

”بیٹا میں واپس جا کر پتا کر دوں گا وہ کہاں ہیں آج کل۔ میں شر سے ملوں گا لیکن آرب کج کہتا ہے اب تم کسی پیپر پر دستخط نہ کرنا۔“

”انگل مجھے کسی جائداد دولت کی ضرورت نہیں

ہے لیکن میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ شر حیات سے جان سے اور..... ان کے بچوں سے۔ میں ہمیشہ نور میں جتا رہی کہ میرا کوئی بھی اپنا نہیں ہے یہ سب میری سے اتنا پیار کرتے تھے۔ مجھے بن دیکھے ہی بہت پیار لگنے لگے ہیں۔“ آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تو ملک آفتاب نے اسے تسلی دی۔

”میں ہوں ناں..... تم فکر نہ کرو۔ میں سب کچھ کر دوں۔ اسفند یار نے کیوں تمہیں..... یہ لالچ ہی اس کا کواندھا کر دیتا ہے اور اسفند تو ہمیشہ سے ایسا ہی تھا اس میں اور شر اسے کبھی ہی نہیں سکے تھے۔ چلو بیٹا اس کو تمہیں ڈراپ کر دوں۔ اس وقت کالج تو نہیں پاس کرنا پھر کچھ دیر اور رک جاؤ۔“

”نہیں میں گھر جاؤں گی۔ آپ مجھے اسٹاپ اتار دیجیے گا۔ میں کہہ دوں گی کہ طبیعت خراب ہے ہلدی آگئی ہوں۔“

”نھیک ہے۔“ انہوں نے اسے چاہا کہ بجھوائے ہوئے تحفے دیے اور اسے اسٹاپ پر ڈراپ کر دیا۔

”میں تم سے رابطہ رکھوں گا کوئی بھی مسئلہ ہو تو کال کر لینا۔ ایک رشتہ تم سے ختم ہو گیا لیکن ایک رشتہ باقی رہے گا ہمیشہ..... میں تمہارا ماموں بھی ہوں شر کے رشتے سے۔“ وہ مسکرائے تھے لیکن وہ مسکراہٹ ہی نہیں تھی۔ وہ تو بس تصور میں ایک بڑا گھر دیکھ رہی تھی شرین دو پونیاں بنائے بھاگتی پھرتی تھی۔ جہاں ملک حیات خان تھے۔ شر حیات خان تھے اور ماں کی جگہ اس نے دل ہی دل میں کتنی ہی بار ان ناموں کو گونجایا تھا۔

”ارے آج تم کالج سے جلدی نہیں آگئیں؟“

”شاہی بھابی آؤں گی میں ہی نہیں۔“

”ہاں طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“

”چلو اچھا ہوا اور نہ میں سوچ رہی تھی کہ ڈراپ کر دوں تمہیں لینے چلا جائے گا اور مجھے دوپٹے دینے سے روک دے گی۔“

”اس نے اسے نہیں دیکھا۔“

”یہ سب لوگ کس قدر دو غلے ہیں ان کے من میں کاش ہے کاش میں جان سکتی۔ یہ اتنی مہربان تو کبھی بھی نہیں پھر..... پھر کیا کج کج کہیں کوئی پر اپنی کا ہی چکر لگے۔ شاید مونا ٹھیک ہی کہتا ہے۔“

”تمہیں تو کچھ منگوانا نہیں مارکٹ سے؟“

”نہیں۔“ وہ مختصر اکبر کر بیڑ جیوں کی طرف بڑھ گئی اس وقت وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی صرف انہیں بند کر کے سوچنا چاہتی تھی۔ وہ سب جس کا علم آج سے پہلے تھا۔

☆ ☆ ☆

ایلیا نے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا اور پھر اندر لنگ سیٹ پر نظر پڑتے ہی ٹھک گئی۔

”آپ.....“

”ہاں امیں“ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”ڈرائیونگ نہیں آیا کیا؟“ وہ اسی طرح دروازے پر کھڑی تھی۔

”میرے ساتھ جانے میں آپ کو کوئی اعتراض ہے؟“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتی تھی۔

”ہاں..... نہیں تو۔“ وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گئی لیکن اس کی آنکھوں کی حیرت آرب سے چھپی نہ رہ سکی۔

”جب آپ نے مجھ سے کہا آج ڈرائیونگ نہیں آیا تم نے کہا ایلیا کو لے آؤ تو میں بھی اتنا ہی حیران ہوا تھا جتنا آپ ہورہی ہیں۔“

”میں تو امی نے آپ سے کہا.....؟“ اس کی آنکھ بڑھ گئی۔ وہ اب سامنے دیکھتا ہوا گاڑی پارکنگ میں داخل رہا تھا۔

”ہاں آپ نے ہی کہا بلکہ اصرار کیا جب کہ شاہی بھابی کہہ رہی تھیں کہ وہ طلال کو لے کر دیتی ہیں وہ ایلیا کو لے کر لیں گے لیکن آپ نے کہا میں ڈرائیونگ تو بیٹھا ہوں تھا ہاں گا۔“

”ہوں۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے کھڑکی سے باہر نکلی۔

”آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ سب یکا یک آپ پر اتنے مہربان کیوں ہو گئے ہیں؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔“ ایلیا اسی طرح باہر دیکھ رہی تھی۔ ”میں اب صرف مجھنے کی کوشش کر رہی ہوں مجھے مونا کی بات سچ لگتی ہے لیکن وہ پر اپنی ہے کہاں..... اور میں اس کی مالک کیسے بن گئی۔ مجھے صرف اس کی کھوج ہے۔“

”میں بھی اس کھوج میں ہوں۔“ وہ بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

”بہت دنوں سے دل میں ایک خواہش سی چلی رہی تھی کہ کسی روز آپ کے ساتھ لمبی ڈرائیونگ پر جاؤں ڈھیر ساری باتیں کروں اور.....“

”یہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟“ اس نے یکا یک اس کی بات کاٹی۔

”آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کو کہاں لے جا رہا ہوں؟“

”مجھے غیب کا علم نہیں آتا۔“ اس نے جل کر کہا تو آرب بے ساختہ ہنس دیا۔

”کبھی کبھی اس طرح کی جلی کئی بات آپ کے لبوں سے سن کر بہت انجوائے کرتا ہوں میں۔“

”پلیز؟“ یہ کہاں جا رہے ہیں آپ.....؟“ اس نے آرب کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”ایلیا! اعتماد کرنا سیکھیں۔ میں آپ کو کہیں نہیں لے جا رہا۔ آپ نے میری پوری بات سنی ہی نہیں۔ میں نے صرف راستہ تبدیل کیا ہے۔ یہ قدرے طویل ہے۔ کچھ زیادہ دیر آپ کی رفاقت مل جائے گی۔“ گیس پریس جھکا دل میں اترا تو محسوس ہوا تو اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ آرب نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔

”کاش یہ سفر اتنا لمبا ہو جائے کہ کبھی ختم نہ ہو۔“ اس نے بے آواز بلند سوچا۔

”آپ جس رفتار سے چل رہے ہیں اس سے تو یہی امید ہے۔“ گوا اس نے زہر لب کہا تھا لیکن آرب نے سن لیا۔ ایک مدھم سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا



اور اس نے بے ساختہ مڑ کر اسے دیکھا وہ کچھ جھنجلائی ہوئی سی لگی۔

”ایلیا“ کیا ہم دوست نہیں بن سکتے؟“ اس نے نرمی سے کہا۔ ”میں بہت اچھا دوست ثابت ہوں گا۔ مجھ پر اعتماد کریں۔“

”میں نے آپ کو دشمن کبھی نہیں سمجھا۔“

”لیکن دوست بھی تو نہیں سمجھتیں۔“ اس نے بے

اختیار کہا۔

”دوست سمجھنے کے لیے ضروری ہے کیا کہ میں آپ کی الٹی سیدھی باتوں کی تائید کروں۔“

”الٹی سیدھی باتیں.....؟“ آرب نے حیرت سے کہا۔

”میں نے تو کبھی آپ سے الٹی سیدھی باتیں نہیں کہیں۔“

”یہ الٹی سیدھی باتیں نہیں تو اور کیا ہے؟“ وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی وہ ڈرائیو کرتے ہوئے گا ہے گا ہے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھ بھی رہا تھا۔

”مثلاً.....“ اس نے پوچھا۔

”یہی کہ.....“ وہ جھجک کر خاموش ہو گئی۔

”ہاں کہیں نا کیا.....“

”کچھ نہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آپ جو وقتاً فوقتاً کچھ کہتے رہتے ہیں تو میں نہیں سمجھتی اس کا کوئی فائدہ ہے۔ میری زندگی میں کہیں کسی دوسرے شخص کی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے اپنا راستہ متعین کر لیا ہے۔“

”کیا.....؟“

”میں اپنی گریجویشن مکمل کر کے جاب کروں گی اور بس.....!“

”لیکن زندگی کے ساتھ یہ ظلم کیوں۔ اتنی خوبصورت زندگی اتنا لمبا سفر..... ایلیا آپ نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ آپ کی عمر میں تو لڑکیوں کی ابھی شادی بھی نہیں ہوتی۔“

”لیکن میری تو ہو چکی اور میں اپنی زندگی گزار چکی۔“

”ابھی آپ نے زندگی شروع کب کی ہے جو

آپ گزار چکی ہیں۔ ایلیا اپنی سوچ کو تبدیل کریں نا کو بھول جائیں۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ زندگی کہیں آپ کے لیے ہاتھوں میں پھولوں کے لیے منتظر کھڑی ہے اسے مایوس نہ کریں۔ نصیر احمد ماسرلی ایک خوبصورت نظم ہے۔

ابھی جگنو نہیں روٹھے

ابھی آنسو نہیں ٹوٹے

ابھی سورج نہیں جاگا

ابھی تارے نہیں ڈوبے

ابھی مہتاب باقی ہے

ابھی اک خواب باقی ہے

ابھی منزل نہیں آئی

ابھی رستہ نہیں ٹھہرا

ابھی دریا نہیں اتر ا

ابھی گرداب باقی ہے

ابھی اک خواب باقی ہے“

خاموش سر جھکائے اپنی انگلیوں کو مسلتی ہوئی ایلیا کی طرف اس نے ذرا سا مڑ کر دیکھا۔

”ہاں ایلیا“ ابھی آنکھیں خوابوں سے خالی نہیں

ہوئیں۔ انہیں ویران مت کریں۔ خوابوں سے سجائیں

اور مجھے تو خود پتا ہی نہیں چلا ایلیا کہ کب ایک خواب آ کر

آنکھوں میں ٹھہر گیا ہے۔ یہ خواب اتنا خوبصورت ہے

کہ جی چاہتا ہے کہ بھی آنکھیں نہ کھولوں کہیں یہ خواب

بکھر نہ جائے۔“ ایلیا کا دل ڈوب کر ابھرا۔

”گھر کی طرف چلیں نا اب۔“

”اوکے“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ”آپ

کا دل اتنا پتھر کیوں ہے ایلیا؟“

”پلیز مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں۔“

”اوکے لیکن ایک شرط ہے۔“ اس نے گاڑی

ماڈل ٹاؤن جانے والی سڑک پر ڈالی۔

”آپ مجھ سے دوستی کر لیں..... کریں گی نا؟“

اس نے پوچھا تو ایلیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اس دوستی کی خوشی میں آسکریم چلے گی۔“

”نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔ ”سیدھے گھر چلیں!“



”یہ آنسکریم ادھار رہی۔ وہ مسکرایا۔“ پھر کبھی سہی۔“ ایلیا خاموش ہی رہی تھی۔ اتنے دن گزر گئے تھے آفتاب انکل نے فون نہیں کیا۔ پتا نہیں ان کی ملاقات ثمر حیات خان سے ہوئی یا نہیں اور پتا نہیں ملک حیات خان زندہ تھے یا نہیں۔ دل کبھی کبھی بہت عجیب سے احساسات میں گھر جاتا تھا۔ کبھی یکدم جی چاہنے لگتا کہ وہ ان لوگوں سے ملے جو اس کی امی کے اپنے تھے اور کبھی عجیب سی بے حسی طری ہو جاتی۔

آرب نے گھر میں داخل ہونے تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ جب وہ پورچ کی سیڑیاں چڑھ رہی تھی تو گاڑی لاک کر کے اس نے آہستگی سے اسے آواز دی۔

”ایلیا۔“ ایلیا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”یہ اصول ہمسفری تو نہیں میرے کہ آپ مجھے پیچھے ہی چھوڑ کر جا رہی ہیں۔“ وہ اس کے ہاتھ چلتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ لاؤنج میں بیٹھی بان کرنی شابی بھابی اور روشی بھابی نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایلیا انہیں سلام کرتے ہوئے سیڑیاں چڑھنے لگی۔ آرب مصطفیٰ چند لمحے لاؤنج میں کھڑا رہا۔ شابی اور روشی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ مونا کو آواز دے کر پانی لانے کا کہہ کر وہ گیسٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔

”چھوٹی امی نے سونے کی جہا پھانسنے کے لیے بھائی کو آگے کر دیا ہے۔“ آخری درجہ پر قدم رکھتے ہوئے اس نے سنا ایک لمحے کو وہ ٹھکی ہوئی آواز آگے بڑھا دیے۔

”سونے کی جہا۔ کیا یہ شابی بھابی نے میرے لیے کہا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر ہولے سے ہنس دی۔ حالانکہ اس لمحے شاید ٹھ سے زیادہ تہی داماں کوئی نہ ہو۔ پتا نہیں ان سب کو کی غلط فہمی ہو گئی ہے یا پھر..... یا پھر ملک حیات خان۔“ وہ ایک بار پھر ان کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ بیڈ سے ٹیکہ لگائے آنکھیں موندے اس نے وہ ساری کہانی جو آفتاب ملک نے سنائی تھی ایک بار پھر دل ہی دل میں دہرائی تھی۔

”مما کے اس طرح کرنے سے ملک حیات خان

کا دل کیسے ٹوٹ گیا ہوگا اور وہ گھر.....“ تبھی شابی بھابی اندر داخل ہوئیں۔

”تم آرام کر رہی ہو میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“

”نہیں، نہیں بس یونہی ذرا ریٹ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں آپ آجائے نا۔“ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟“ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

”ٹھیک۔“

”یہ آرب آج تمہیں لینے گیا تھا؟“

”جی وہ کہہ رہے تھے کہ چھوٹی امی نے بھیجا ہے۔“

”دیکھو ایلیا تم میرے لیے چھوٹی بہنوں کی طرح ہو۔“

”چھوٹی امی تو سدا کی تمہاری دشمن ہیں تمہیں پتا تو ہے تمہارے ساتھ کیا گیا تھا پہلے اور اب یہ آبی کو..... تم محتاط رہنا مجھے تو دال میں کالا لگتا ہے۔“

”کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔“

”آرب سے زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں۔ کہیں بدنام ہی نہ کر دیں تمہیں چھوٹی امی۔ ان جیسی مکار عورت میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ یہ تو آرب کو سب سے چھپا کر اس طرح رکھتی ہیں جیسے لڑکی ہو اور اب خود ہی بھیج دیا تمہیں لینے ضرور کوئی چال ہے میں نے ایک بار کہا تھا گڑیا کو ذرا یونیورسٹی چھوڑ دے تو ایسی ناک بھوں چڑھائی کہ میرا بھائی ڈرائیور نہیں ہے کسی کا اور اب ضرور کوئی چال ہے ان کی۔ تم ہو شیاری رہنا اور اس آرب کے بچے کو زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں۔“

”جی اچھا۔“

”چھوٹی بہنوں کی طرح ہو اس لیے سمجھا رہی ہوں۔“ وہ انھیں اور لہراتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ایلیا انہیں باہر جاتا دیکھتی رہی۔

”چھوٹی امی کی چال لیکن آرب۔“ دل زور سے دھڑکا۔ اس کی وہ پُر شوق نظریں وہ ذومعنی جملے اس کی وہ

ماہنامہ پاکیزہ

77

الطاس بھری گفتگو.....

”نہیں، چھوٹی جیسی بھی ہوں آرب مصطفیٰ ان کے کسی گیم کا حصہ نہیں سکتا۔“ یہ اس کے دل کو یقین دہا اور اپنے اس یقین پر ایک لمحے کو وہ خود بھی ششدر رہ گئی۔ اس سارے عرصے میں بھلا کتنی بار آرب مصطفیٰ سے اس کی بات نہ تھی چند بار..... لیکن ان مختصر ملاقاتوں میں ہی آپ نے اپنا اعتماد قائم کر لیا تھا اور اسے لگتا تھا کہ اس پر گھر میں صرف ہی ایک شخص ہے جو اس سے ظلم ہے۔ اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ ”م دوست ہیں۔“

اس کے سیلن کی پیپ ہو رہی تھی اس نے ہونک کر پاس پڑا بیکا ٹھا کر فون باہر نکالا دوسری طرف انکل آفتاب تھے۔

”سوری ایلیا پنے میں فون نہیں کر سکا۔ تمہاری چاچی کی طبیعت خراب تھی میں کراچی نہیں جا سکا تھا ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی تو گیا کراچی.....“ ایلیا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”کراچی میرے کا ایک دوست رہتا تھا وکیل تھا میری بھی اس سے آم دعا تھی۔ میں سیدھا اسی کے پاس گیا تھا میرا خیال تھا کہ اسے شمر کے ایڈریس کا علم ہوگا اور میرا خیال غلط تھا۔“ ایلیا کو لگا جیسے اس کا دل پھٹ کر بند ہو جائے۔

”آپ ان۔ ملے؟“ اس کے لبوں سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

”نہیں.....“ وہ گ وہاں نہیں تھے چند دن قبل شمر اور ملک صاحب امیکا گئے ہیں ملک صاحب کا باپ پاس ہونا ہے وہاں۔

”اوہ!“ اس نے ایک طویل سانس لی۔ دل کی دھڑکن قدرے معمول پر آ گئی۔

”ہاں وکیل ے مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ملک صاحب نے شمرین کے نام بہت بڑی پراپرٹی کی ہے جو اس کا حق تھا اور شمرین کے بعد اس کی وارث تم تھیں۔ شمر وکیل دوست نے ہی تمہارے اہلی جان سے ملاقات کر کے انہیں بتایا تھا کہ ملک صاحب

ماہنامہ پاکیزہ

77



نے ثمرین کا حصہ تمہارے نام کیا ہے اور بہت جلد سب پیپرز تیار کر کے وہ بھجوا دیں گے۔ اسی سلسلے میں غالباً انہوں نے تم سے مختار نامے پر دستخط کروائے تھے کہ وہ خود فائدہ اٹھا سکیں لیکن پھر ملک صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی اور انہیں امریکا جانا پڑ گیا۔ اس لیے پراپرٹی کی منتقلی کا کام التوا میں پڑ گیا۔ جیسے ہی شرواپس آتا ہے میں اس سے رابطہ کروں گا۔ تم کسی کاغذ پر اب دستخط مت کرنا۔ یہ دولت بڑی بری شے ہے محتاط رہنا۔“ اسے تاکید کرتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا۔

”یہ دولت‘ جائیداد میں نے اس کا کیا کرنا ہے۔“ اس نے افسردگی سے سوچا۔ ”مجھے تو محبتوں کی چھاؤں چاہیے تھی۔ میں کتنی خوش تھی وہاں چاچی اور انکل آفتاب کے پاس اگر ابی جان مجھے کہتے تو میں خود ہی سب کچھ ان کے نام کر دیتی لیکن..... کاش وہ مجھ سے وہ گھر وہ محبتیں نہ چھینتے جو زندگی میں پہلی بار مجھے ملی تھیں۔“

”کھانا لگ گیا ہے۔“ مونا نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اندر جھانک کر اطلاع دی۔ ”چلو اس ملنے والی دولت کے طفیل ہی سہی اس گھر کا ایک فرد تو سمجھا جا رہا ہے۔ ورنہ پہلے تو کبھی کسی کو بلانا یاد ہی نہیں رہتا تھا۔“ ایک طنز پر مسکراہٹ لبوں پر بکھر کر معدوم ہو گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے بکھرے بالوں کو درست کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

وہ سو کر اٹھی تو بارش خوب برس کر تھم چکی تھی۔ اسے مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو آئی تو وہ بے اختیار ہی دروازہ کھول کر میسر پر آ گئی۔ ہر چیز دھل کر نکھر گئی تھی۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر نیچے لان میں دیکھنے لگی۔ درخت پھول پتے سب نکھرے نکھرے لگ رہے تھے۔ دودن سے کتنا شدید جس تھا لیکن آج کی بارش نے یہ جس ختم کر دیا تھا۔ مغربی افق پر ہلکے بادل تھے..... شاید ابھی اور بارش ہوگی۔ اس نے جامن کے درخت پر بیٹھی چڑیا کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ بھی اس کی نظر گیٹ میں داخل ہوتی وائٹ کروڈا پر پڑی۔

”تو آرب آفس سے آ گئے۔“ وہ پیچھے ہٹ کر میسر پر پڑی پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ پرانے طرز کے بنے ہوئے ارگھر میں فرسٹ فلور کے ہر کمرے کے آگے نیم دائرے کی شکل میں میسر یا گیلری سی بنی ہوئی تھی۔ جب بھی کمرے میں اس کا دل گھبراتا وہ یہاں آ بیٹھتی تھی۔ رشتوں کا اعتماد اور مان تو وہ پہلے ہی کھو چکی تھی لیکن اب تو یہ مان کسی پھٹی پرانی اوڑھنی کی طرح تاریا ہو گیا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے وہ خلا میں چکرانے لگی ہے۔

”رشتوں کے بھرم کھلیں تو کیا اندر سے اتنی بلائیں اور خوفناکیاں برآمد ہوتی ہیں جو جھیلے جانے کے قابل نہیں ہوتیں۔ کیا دنیا میں کوئی رشتہ رشتہ نہیں۔“ اس نے بے حد دلگرمی سے سوچا اور ہاتھ آگے بڑھا کر مارش کے ننھے سے قطروں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کسی بھولے بھٹکے بال نے گزرتے ہوئے چند قطرے بکھیرے تھے۔

اس روز سفند یار نے اسے بلایا تھا۔ وہ کچھ حیران سی مونا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی۔ سفند یار کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ایک لمبے کودہ ٹھنک کر رک گئی۔

”آؤ آہا ایلیا یہ وکیل صاحب ہیں تم سے ہی ملنے آئے ہیں۔“ خلاف معمول ان کا لہجہ نرم تھا۔ ”یہ ایلیا ہے ثمرین کی بیٹی۔“ انہوں نے وکیل کی طرف دیکھا۔

”ہاں بیٹا کیسی ہیں آپ؟“ ”جی اچھی ہوں۔“ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”یہ تو ثمرین کی کاپی ہے۔“ وکیل نے سفند یار کی طرف دیکھا۔

”کیا انہوں نے میری ماما کو دیکھ رکھا ہے۔“ اس نے حسرت سے سوچا۔

”بیٹا یہ کچھ کاغذات ہیں۔“ انہوں نے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔ ”لاہور میں ایک پلازہ ایک ہاؤسنگ اسکیم ہے جس میں تقریباً پینتیس پلاٹ ہیں کچھ

کنال کے کچھ پانچ اور دس مرلے کے اور ملتان کی بھی کچھ پراپرٹی کے پیپرز ہیں جو خان صاحب نے تمہارے نام کر دیے ہیں۔“ اس نے فائل پکڑ لی لیکن اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

”تم چاہو تو یہ پلاٹ فروخت کر دو جو چاہے کرو مالک ہو ان کی۔“ وکیل صاحب مسکرائے۔ ”زرعی اراضی میں کچھ قانونی پیچیدگیاں ہیں جیسے ہی قانونی تقاضے پورے ہوئے پیپرز آپ تک پہنچ جائیں گے۔“

”وہ.....“ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان بھیری۔ ”وہ لوگ امریکا سے واپس آ گئے کیا۔ بائے پاس ہو گیا کیا.....؟“ سفند یار نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ بیٹھی ہے۔ ”نہیں“ آپریشن تو ہو گیا ہے خان صاحب کا۔ کامیاب ہے لیکن ڈاکٹروں نے ابھی مزید کچھ عرصہ رکھنے کو کہا ہے۔“

فائل اس کے حوالے کر کے سفند یار سے ہاتھ ملا کر وکیل چلا گیا وہ فائل گود میں رکھے ساکت بیٹھی تھی۔ وکیل کو سی آف کر کے سفند یار آئے اور اس کی گود سے بے چینی سے فائل اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرتے رہے۔ وہ مضطرب سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ٹھہرو۔“ انہوں نے فائل بند کر کے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگ امریکا گئے ہوئے ہیں؟ ان کے سپاٹ لہجے میں بڑی سرد مہری تھی۔ اس نے جھرجھری سی لے کر انہیں دیکھا۔

”انکل آفتاب نے۔“

”کیا وہ..... (گالی دے کر) تمہیں فون کرتا ہے اب بھی کیا رشتہ ہے اس کا تم سے.....“ ایلیا نے کوئی جواب نہ دیا۔

”ہاں ایلیا۔“ انہوں نے یکا یک ہی آواز دہمی اور نرم کر لی۔ ”یہ پلازے کی دکانوں کے کرائے وصول کرنا اور پلاسٹک کی فروخت وغیرہ کے سلسلے میں تمہارا مختار نامہ چاہیے میں کل شام پیپرز لے آؤں گا۔ میں تمہارا باپ اور مختار ہوں تو.....“

”سوری ابی جان میں نے ابھی سوچا نہیں ہے کہ



میں کے اپنا مختار بناؤں۔“ اس نے فائل لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اسفند یار نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔

”تم کسے مختار بنانا چاہتی ہو؟“

”شاید کسی کو بھی نہیں۔“

”پاگل ہو گئی ہو یہ لڑکیوں کے بس کا کام نہیں ہے۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن مجھے اس پر اپنی کی ضرورت نہیں میں یہ کاغذات واپس کرنا چاہتی ہوں۔“

”تمہارا دامخ خراب ہے۔“

”تمہارا حق ہے یہ شرمین تو اس سے زیادہ کی حقدار ہے یقیناً بڑھے نے جائداد تقسیم کرتے ہوئے ڈنڈی ماری ہوگی۔“ اس سے پہلی بار ایلیا نے اسفند یار کے لیے دل میں نفرت محسوس کی۔

”میں جانتی ہوں لیکن میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ان کے امریکا سے واپس آنے کے بعد میں یہ سب واپس کر دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ وہ ماما کے نام اک کوئی ٹرسٹ بنا دیں۔ یتیم غریب اور لاوارث لوگوں کے لیے۔“

”یہ سچی تمہیں اس آفتاب نے ہی پڑھائی ہوگی خود کیوں نہیں بنالیتا ٹرسٹ غریبوں یتیموں کے لیے۔“ اسفند یار کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

”انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔“ اس نے فائل لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اسفند یار نے فائل اسے نہیں دی۔

”یہ کوئی بے پروائی سے ادھر ادھر پھینکنے والے کاغذ نہیں ہیں میں لا کر میں رکھ دیتا ہوں اور ہاں یہ خناس جو تمہارے دامخ میں بھرا ہوا ہے اسے نکال دو۔“ ایلیا بغیر جواب دیے ڈرامنگ روم سے نکل آئی تھی اور پھر اپنی جرات اور اعتماد پر خود ہی کتنی دیر تک حیران ہوتی رہی تھی۔ یہ اعتماد آرب مصطفیٰ نے اسے دیا تھا ان بچے دنوں میں کتنی ہی بار آرب مصطفیٰ سے اس کی بات ہوئی تھی اور ہر بار ہی آرب نے اس کے اندر نیا حوصلہ پیدا کیا تھا۔ جب دوستی کا رشتہ بنا تو اس نے بھی

سب کچھ آرب کو بتا دیا۔ وہ سب جو انکل آفتاب نے اسے بتایا تھا۔

”تو یہ سچی اصل وجہ ایلیا لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ محض دولت کے لالچ میں بہنوں اور بیٹیوں کے لئے گھرا جاڑ دیتے ہیں۔“

”میرا گھر سہا ہی کب تھا آرب۔۔۔۔۔“ دل کا دورے لیں پر آگیا تھا۔ ”ہاں مجھے ایک سانبان مل گیا تھا“ محبتیں ملی تھیں۔ میں نے انکل اور چاچی میں ماں باپ دونوں کی محبتوں کا ذائقہ چکھا تھا۔ میں اس دلیر کو مر کر ہی چھوڑنا چاہتی تھی۔

”لیکن وہ زندگی بھی کوئی زندگی نہ تھی ایلیا۔“ بات کرتے کرتے آرب بھی بے حد اداس ہو جاتا تھا۔

”آپا چاہتی ہیں میں تم سے شادی کر لوں۔“ ایک روز اس نے بتایا اور پھر ہولے سے ہنسا۔

”حالانکہ کچھ عرصے پہلے تک وہ مجھے تمہارے سائے تک سے بچانا چاہتی تھیں اور بد رکوبا قاعدہ میری جاسوسی پر لگایا ہوا تھا کہ میں کہیں تمہائی میں تم سے بات نہ کروں۔“

”پھر آپ نے ان سے کیا کہا؟“ ایلیا نے دھڑکتے دل سے پوچھا تھا۔

”میں نے انکار کر دیا۔“ آرب نے ایک گہری سانس لی تو ایلیا کو ایک لمحے کے لیے اپنا دل ڈونگا ہوا محسوس ہوا۔

”کاش تم اتنی امیر نہ ہوتیں اتنی بڑی جائداد کی مالک تو میں شاید خوشی سے پاگل ہو جاتا“ پتا نہیں تم میرا یقین کر دو گی یا نہیں لیکن یہ سچ ہے کہ جب میں نے ہاں سالوں بعد اس روز صبح تمہیں لان میں بیٹھے دیکھا تو میں خدا کے ہنر و قدرت پر حیران رہ گیا۔ شابی بھائی کہہ رہی تھیں کہ تم چار سالوں میں ذرا بھی نہیں بدلی ہو لیکن مجھ تو تم بہت الٹو کی اور خاص سی لگیں شاید چار سال پہلے میں نے بھی دھیان سے تمہیں دیکھا ہی نہیں تھا اور آگاہی کا یہ لمحہ ابھی ابھی مجھ پر اترا تھا میرے دل میں ایک چوری خواہش نے سر اٹھایا تو میں کسی مجرم کی طرح اسے چھپانے لگا اور احساس جرم کا شکار ہونے لگا۔

”تم ایک شادی شدہ لڑکی تھیں پھر مجھے کیا حق تھا کہ میں تمہیں سوچوں لیکن تمہاری آنکھوں کی اداسی مجھے بار بار تمہیں دیکھنے پر اکساتی۔۔۔۔۔ میں یکن میں کھڑے ہونا سے گپ لگاتے اپنے روم کی کھڑکی سے لاؤنج میں بیٹھنے کتنی ہی بار تمہیں حسرت سے دیکھتا پھر چھوٹے بھیا نے بتایا کہ ایاز نے شادی کر لی۔ تمہارا دکھ میرے دل میں اترا آیا۔ میں تمہیں اسے تمہا جھیلنے دیکھ رہا تھا۔ میں نے تمہارے لیے بہت دعا کی ہیں ایلیا۔“

”میں نے بغیر کسی غرض کے اپنی ذات کو الگ کر کے تمہارے لیے سوچا۔ انکل آفتاب سے بات کی اور مطمئن ہو گیا کہ تم معتبر اور پیار کرنے والے لوگوں کے پاس ہو وہ تمہاری زندگی ضائع نہیں ہونے دیں گے وہ ایسے ہی پیارے اور مشفق لوگ ہیں۔“

”اور ایلیا پھر تم یہاں آ گئیں۔ میں جی اٹھا۔۔۔۔۔ میں نے سوچا شاید میری لگن سچی تھی گو میں نے ایسا بھی نہیں چاہا تھا۔ میرے اندر پھر خواب بننے اور سنورنے لگے میں نے بارہا تصور میں تمہیں اپنے سنگ دیکھا لیکن۔۔۔۔۔“ وہ کتنی ہی دیر ہونٹ جھپٹے بیٹھا رہا۔

”میں نے آپ کو منع کر دیا۔۔۔۔۔ جانتی ہو کیوں میں نہیں چاہتا کہ تم یہ سمجھو کہ میری محبت میں لالچ تھا۔ تمہاری کروڑوں کی جائداد کا لالچ۔۔۔۔۔ میرے صبح شام ہرے دن اور رات ماہ و سال سب تمہیں سوچنے میں گزریں گے ایلیا“ میں نے آپا کے اصرار کے باوجود اس نہیں کی جانتی ہوا آپا نے اس کے بعد کیا کہا؟ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ زہریلی مسکراہٹ آ کر ظہور کی تھی۔

”انہوں نے کہا۔۔۔۔۔ تمہیں وہ پسند نہیں تو بعد میں فارغ کر دینا سب پر اپنی وغیرہ اپنے نام کروا کے۔“ میں ان سے کیا کہتا کہ آپ پسند کی بات کرتی ہیں وہ تو ہرے دل میں بیٹھی مجھ پر حکومت کرتی ہے۔ میرے دم دم میں بس رہی ہے۔“ آرب اٹھ کر چلا گیا۔

تب ایلیا نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ برابری نہیں لے گی۔ واپس کر دے گی اور نانا جان سے کہے گی کہ وہ شرمین کے نام پر کوئی ٹرسٹ، کوئی اسپتال کچھ بھی عوامیں پھر آرب مصطفیٰ نے اس کی طرف ہاتھ

بڑھایا تو وہ اس کا ہاتھ تھام لے گی۔ بقول آرب مصطفیٰ کے۔

ابھی اک خواب باقی ہے  
ابھی آنکھوں میں جل چل ہے  
ابھی سینے میں بالچل ہے  
ابھی کھڑکی میں بارش ہے  
ابھی برقاب باقی ہے  
ابھی اک خواب باقی ہے

لیکن وہ کچھ بھی تو نہ کر سکی۔ اس کے ارادے جان کر ان سب کے چہروں سے مصنوعی غلاب اتر گئے تھے۔ ان کے رویوں میں بھی فرق نظر آنے لگا تھا۔ فائل ابلی جان کے قبضے میں تھی۔ انہوں نے اس کا کالج جانا بند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا سیل فون بھی غائب کر دیا گیا تھا اب نہ وہ کسی سے رابطہ کر سکتی تھی اور نہ کہیں جا سکتی تھی۔ بڑے بھیا اور اسفند یار کا اصرار تھا کہ وہ اپنی تمام جائداد کا مالک و مختار نہیں بنادے۔ وہ شاید تھک کر ایسا کر بھی دیتی لیکن آرب تھا جو اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہتا تھا۔

”ایلیا ایسا مت کرنا پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ پھر تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“ آرب سے ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ جس مختار نے اسے پر ابلی جان پہلے ہی دستخط کروا چکے تھے وہ کہیں کھو گیا تھا۔ چھوٹی امی کا خیال تھا کہ چھوٹے یا بڑے بھیا نے اڑا لیا تھا اور ضائع کر دیا تھا جب کہ شابی بھائی کو اس نے کہتے سنا تھا۔

”ابلی جان نے ساری دولت پر تنہا قبضہ کرنے کے لیے فی الحال وہ کہیں چھپا دیا ہے اور ظاہر کر رہے ہیں کہ کھو گیا ہے اور یہ سب چھوٹی امی کروا رہی ہیں حالانکہ پہلے تو انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بلا زہ طلال۔۔۔ کے نام کروا دیں گے تب جب کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اسٹامپ پیچہ کھو گیا تھا۔ انوش کا خیال تھا کہ ایک روز اس نے بونی اور بدر کو اس کے جہاز بنا کر اڑاتے دیکھا تھا۔

”پتا نہیں انکل آفتاب نے فون کیا ہو۔ شاید یہاں کا فون بھی آیا ہو۔ انکل تو ضرور پریشان ہوں گے۔“



اس نے سانسہ نیلے آسمان پر اڑتے تھا پرندے کو دیکھا۔

”میں بھی اسی پرندے کی طرح ہوں تھا اور اکیلی۔“ یکدم اس کا دل گھبرایا تو وہ اٹھ کر اندر آگئی

آرب نے کہا تو وہ اسے نیا فون لاوے گا پتا نہیں وہ نیا سیٹ لایا تھا نہیں اگر فون مل جاتا تو وہ اگلے آفتاب کو فون کرتی۔

”پتا نہیں اس سب کا انجام کیا ہوگا۔ میں بھی پتا نہیں کیوں ایسا کر رہی ہوں ابی جان کے نام سب کچھ کر دوں انہیں مالکہ و مختار بنا دوں اور سب کی محبتیں حاصل کر لوں۔“

”مجھتیں خریدی نہیں جاتیں ایلیا۔ تم دیکھنا یہ سب کچھ دے کر بھی مجھ نہ پاسکوگی۔“ آرب نے کہا تھا لیکن وہ اس صورت حال سے ٹھک چکی تھی۔

”نیتا عادل سے ہی مشورہ کر لیتی تو شاید۔۔۔۔۔۔ لیکن فون۔۔۔۔۔۔ گھر کے فون ابی جان نے لاکھڑ کر دیے تھے۔“

”آرب کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوتے دیکھی تھی مونا سے کہوں کہ آرب سے پوچھو وہ موبائل سیٹ لایا ہے تو۔۔۔۔۔۔“ وہ ابھی ہی تھی کہ مونا نے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ مونا میں ابھی تمہاری طرف ہی جا رہی تھی۔“

”جی“ وہ بڑی امی نے بہت شور ڈال رکھا ہے کھانا بھی نہیں کھایا چائے بھی گرا دی۔ آپ چلیں نا اوپر وہ آپ کو بلارہی ہیں۔“

”اچھا۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اسے بڑی امی سے ہمدردی تھی اسے ان پر ترس آتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بڑی امی کے متعلق بڑے بھیا سے بات کرے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتی کہ نہیں وہ برائے منائیں۔

”آپ چلیں نا اوپر میں کھانا لاتا ہوں۔ یہ رہی کمرے کی چابی۔“ اس نے مٹی کھول کر چابی اسے دی وہ اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔

”ایمان سے اس گھر میں سب کے دل ہی پتھر

سے بنے ہیں سوائے آپ کے۔“ ایلیا خاموشی سے دروازہ کھول کر سیز جیوں کی طرف بڑھ گئی۔ بڑی امی اسے دیکھ کر خوش تو ہوئیں لیکن ناراض بھی ہو گئیں۔

”تم آج آئی کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔؟“

”میرے سر میں درد تھا میں سو گئی تھی۔“ وہ افسردہ سی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”لامیں تیرا سر دبا دوں ادھر میری گود میں سر رکھ۔“

”نہیں اب تو درد نہیں ہے۔“

”اچھا پھر اتنی چپ چپ کیوں ہے؟“ وہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ چونکی کیا انہیں پاگل کہا جاسکتا تھا۔

”کچھ نہیں یوں ہی بس سوچ رہی تھی میں چلی جاؤں گی تو آپ۔۔۔۔۔۔؟“

”کہاں کہاں چلی جائے گی؟“ انہوں نے سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اپنے گھر۔“ ایلیا نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

”مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل۔ میری بیٹی نہیں ہے تو۔“ وہ منت کرنے لگیں تو اس کا دل دکھ گیا۔

”اپنے خاوند سے ڈرتی ہے؟“ وہ اداس ہو گئیں۔

”ہاں لیکن میں بات کروں گی پھر لے جاؤں گی۔“ اس نے انہیں تسلی دی۔

”وہ اچھا ہے نا۔۔۔۔۔۔ حیرت بات مان جائے گا نا۔“

”ہاں۔“ ایلیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اپنے ابی جان کو مت بتانا بس چوری سے لے جاتا مجھے چھپا کر نہیں تو وہ نہیں جانے دیں گے۔“ ایلیا نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔ بھی مونا کھانا گرم کر کے لے آیا تو ایلیا نے اصرار کر کے انہیں کھانا کھلایا اور کھانے کے بعد ٹیبلٹ دی غالباً سکون کی گولی تھی کیونکہ وہ اکثر اسے کھانے کے بعد سو جاتی تھیں۔ مونا برتن اٹھا کر چلا گیا تو وہ کچھ دیر اور بیٹھی رہی۔ وہ بار بار اس سے یقین دہانی کر دیتی کہ وہ انہیں ساتھ ہی لے جائے گی اور یہ کہ آج وہ نیچے نہیں جائے گی ادھر ہی رہے گی۔ کچھ دیر

بعد وہ سو گئیں تو ایلیا باہر آئی۔

آسمان پھر بادلوں سے بھر گیا تھا۔ شاید پھر بارش ہونے والی تھی۔ کچھ دیر وہ یونہی آسمان پر بھاگتے بادلوں کو دیکھتی رہی پھر سیز جیوں کا دروازہ بند کر کے نیچے اترنے لگی۔ لاؤنج میں صوفے پر بڑے بھیا اخبار دیکھ رہے تھے اور سامنے بڑی ٹیبل پر ٹیبلٹ میں پکوزے رکھے تھے۔ ایک لمحے کو وہ ٹھک کر رک گئی۔ انہوں نے اخبار سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

”آؤ ایلیا۔۔۔۔۔۔ پکوزے لو گرم گرم تمہاری بھابی نے بارش سے لطف اندوز ہونے کے لیے بنائے ہیں۔“

”جی۔“ وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”بیٹھ جاؤ گڑیا۔“ انہوں نے صوفے پر اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”اوپر کیا کر رہی تھیں؟“ ان کا انداز سرسری سا تھا۔

”وہ بڑی امی کے پاس تھی۔“ وہ جھجکی۔

”تم سے کافی مانوس ہو گئی ہیں۔“

”جی۔۔۔۔۔۔ وہ بڑے بھیا۔“ اسے ان کی گفتگو سے حوصلہ ہوا۔

”بڑی امی اوپر بہت گھبراتی ہیں اکیلے رہ کر تو اچھا بھلا آدمی پاگل ہو جائے۔ وہ تو۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے انہیں اگر آپ نیچے لے آئیں وہ سب کے درمیان رہیں گی تو خوش رہیں گی۔“

”ہاں میں بات کروں گا ابی جان سے۔“ بڑے بھیا اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

”ابی جان۔۔۔۔۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”بڑے بھیا۔“ کچھ بعد اس نے کہا۔ ”وہ آپ کی ماں ہیں یہ تو آپ کا اور چھوٹے بھیا کا فرض ہے کہ ان کا خیال رکھیں۔ انہیں وقت دیں۔ ابی جان کے پاس توان کی بیوی ہے۔ انہیں ضرورت نہیں ہے ان کی لیکن اولاد کو تو ہمیشہ ماں کی ضرورت رہتی ہے نا۔“ بڑے بھیا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

”تم بالکل شرمین ماما کی طرح ہو نرم دل مہربان

لیکن تمہیں شاید نہیں معلوم کہ وہ کبھی کبھی بہت خطرناک ہو جاتی ہیں اور کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اس لیے انہیں اوپر رکھا ہے اور مجھے ان کا خیال ہے۔ میں نے ہی انہیں پاگل خانے سے نکال کر فاؤنٹین ہاؤس میں رکھا تھا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے بڑے بھیا لیکن اب وہ کافی حد تک نارمل ہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔“

”یہ تم کہہ رہی ہو ایلیا جب کہ انہوں نے تمہیں نقصان پہنچانے کی بلکہ تمہاری جان لینے کی کوشش کی تھی خدا نخواستہ اگر۔۔۔۔۔۔“

”نہیں بڑے بھیا وہ تو۔۔۔۔۔۔“ اس نے ان کی بات کاٹی لیکن پھر یکدم لب دانتوں تلے دبا لیا۔ آرب نے سختی سے منع کیا تھا۔

”کبھی ظاہر مت کرنا کہ بڑی امی پر شک نہیں ہے۔“

”لیکن خواجہواہ سب سمجھ رہے ہیں کہ بڑی امی نے۔۔۔۔۔۔“

”سمجھئے دو۔“ آرب نے اسے ٹوک دیا۔ ”ایلیا اسی میں تمہاری بہتری ہے ورنہ اگر تمہارے دامن کو پتا چل گیا کہ تم اس سے واقف ہو تو تمہاری زندگی کو خطرہ بڑھ جائے گا۔“ اسے آرب کی باتیں سمجھ نہیں آتی تھیں لیکن پھر بھی اس نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔

اس روز وہ صحت پر گئی تو بڑی امی سورہی تھیں وہ دروازہ پونہ کھلا چھوڑ کر باہر ریٹنگ کے پاس آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ آس پاس کی چھتیں ویران تھیں۔ یوں بھی چھتوں پر کبھی کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔ کبھی کبھار کسی چھت پر کوئی بچہ پٹنگ اڑاتا نظر آ جاتا لیکن آج سر پہر تین بجے ہر طرف ویرانی تھی اس کا دل بند کمرے میں پڑے پڑے گھبرایا تھا تو وہ اوپر چلی آئی تھی۔ اس نے ریٹنگ پر جھکتے ہوئے روڈ پر گزرنے والی گاڑیوں کو دیکھا۔

”اگر کبھی میں گیٹ سے باہر نکل جاؤں۔۔۔۔۔۔ کوئی رکشا لے کر فلائنگ کوچ کے اڈے پر پہنچ جاؤں اور وہاں سے ساہیوال پھر۔۔۔۔۔۔“ وہ اتنی خوشی کہ ارد گرد سے بے خبر



ہو گئی۔ اچانک اسے لگا جیسے کسی نے اسے ہلکا سا پیش کیا ہو اور ساتھ ہی ایک وحشت ناک چیخ سنائی دی۔ ایک لمحے کو اس کے حواس معطل ہو گئے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سیدھی ہو کر مڑی اس کے بالکل پیچھے چھوٹے بھیا اور ان کے ساتھ بڑی امی حواس باختہ سختی گھڑی تھیں اور ان کے حلق سے وحشت ناک چیخیں نکل رہی تھیں اس نے کسی قدر جبریت سے چھوٹے بھیا کو دیکھا لیکن مسلسل چلتی بڑی امی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”امی پلیز کیا ہوا؟“ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”وہ..... وہ“ بشکل ان کے لبوں سے نکلا تھا پھر یکدم انہوں نے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں چھپا لیا۔

”امی پلیز۔“ اس نے انہیں ریلیکس کرنے کے لیے ان کی پیٹھ کو تھپتھپایا۔  
 ”پلیز اندر چل کر بیٹھے ہیں۔ آپ چائے پیئیں گی۔“

”نہیں۔“ انہوں نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔  
 ایلیا انہیں بہا کر اندر لے آئی ”چھوٹے بھیا ہیں“ جاتے جاتے ایلیا کو لگا جیسے ان کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے ہوں اور چہرے پر گھبراہٹ ہو۔ وہ کبھی کبھی سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

”وہ تمہیں دھکا دینے لگا تھا۔“  
 ”نہیں.....“ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا تو انہوں نے زور شور سے سر ہلایا۔

”ہاں دینے لگا تھا وہ دے پاؤں تمہاری طرف جا رہا تھا۔ میں تمہیں دیکھ رہی تھی۔ میں باہر آ گئی۔ دروازے کے پیچھے۔“ ان کی آنکھوں سے وحشت جھلکتے لگی اور وہ پھر چیخیں لگیں تو وہ ہولے ہولے ان کے ہاتھ سہلانے لگی تھی۔ ”جی چھوٹے بھیا اسے کھلے دروازے سے آتے دکھائی دیے۔“

”چھپ جاؤ“ چھپ جاؤ۔“ وہ خوفزدہ ہو کر اسے اپنے پیچھے چھپانے لگیں۔  
 ”یہ..... یہ تو چھوٹے بھیا ہیں بڑی امی۔“  
 چھوٹے بھیا اندر آ چکے تھے اور وہ بڑے بے یقینی سے

انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کا نام تو لیج رہی تھیں لیکن شاید پہچانتی نہیں تھیں۔ طلال بلال اکثر ان کی زبان پر رہتا تھا۔

”میں امی کو دیکھنے اور پر آیا تھا پھر تمہیں رینگ کے پاس کھڑے اور تمہارے پیچھے امی کو کھڑے دیکھ کر تمہاری طرف بڑھا۔ میں نے دیکھا کہ امی نے تمہارے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے وہ تمہیں دھکا دینے لگی تھیں۔“  
 ”میں وہاں رینگ کے پاس کھڑی تھی کہ اچانک بڑی امی کی چیخ سن کر مڑی۔“

”اتنی چھوٹی سی رینگ ہے تم گھبرا کر نیچے ہی گر جاتیں تو۔“ چھوٹے بھیا اسے کھوجی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”ہاں..... شاید میں گرنے ہی لگی تھی۔“ اسے بڑی امی کی بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ چھوٹے بھیا اسے دھکا دے رہے تھے۔ پشت پر اسے جو لمس محسوس ہوا تھا ہو سکتا ہے اس کا وہم ہو۔ بڑی امی چھوٹے بھیا کو گھور رہی تھیں۔

”نہیں یہ بلال نہیں ہے۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دائیں ہاتھ سے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ سے وہ انہیں دھکیل رہی تھیں۔

”جاؤ تم“ چھوٹے بھیا اس کے بھائی نہیں ہو میں نہیں جانتی کیا؟“ چھوٹے بھیا کے چہرے پر بکھرلی شرمندگی ایلیا نے محسوس کی۔

”چھوٹے بھیا اس وقت امی کچھ اپ سیٹ ہیں ورنہ وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوتیں۔“

”اچھا“ میں جا رہا ہوں اور تم محتاط رہا کر دو۔“ وہ تیزی سے مڑ گئے تھے۔ جب وہ نیچے آئی تو چھوٹے بھیا سب کو بتا چکے تھے کہ بڑی امی اسے رینگ سے دھکا دے کر گرانے لگی تھیں۔

”اگر میں پہنچ نہ جاتا تو ایلیا اس وقت زندہ نہ ہوتی۔“ وہ تردید کرنا جانتی تھی لیکن نہ کر سکی۔ بڑی امی اسے دھکا نہیں دے سکتی تھیں تو کیا چھوٹے بھیا اس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی اسی شام

آر ب اور آیا تو اس نے ساری بات سن کر اسے منع کیا تھا کہ وہ یہ بات زبان پر نہ لائے کہ چھوٹے بھیا.....  
 ”کیا“ وہ تو.....“ بڑے بھیا کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

”وہ تو محض اتفاق تھا۔“ اس نے چوتھتے ہوئے کہا۔

”اور یہ اتفاق پھر بھی تو ہو سکتا ہے اور یہاں چھوٹے بھیا بھی ہیں خدا نخواستہ۔“

”نہیں بڑے بھیا“ وہ آپ کو اور چھوٹے بھیا کو بہت یاد کرتی ہیں۔ روز مجھ سے کہتی ہیں طلال اور بلال کہاں ہیں میرے پاس کیوں نہیں آتے۔“

”اچھا.....“ ان کی آنکھوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ”لیکن جب میں فونٹین ہاؤس میں جاتا تھا تو وہ مجھے نہیں پہچانتی تھیں۔“

”تو آپ اپنی پہچان کرواتے نا“ جب ہوش و حواس نے ان کا ساتھ چھوڑا تھا تو آپ تو چھوٹے سے تھے پھر وہ آپ کو کیسے پہچانتیں۔ میں نے بھی تو اپنی پہچان خود کروائی ہے۔“

”کیا پہچان کروائی ہے؟“ ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”میں نے کہا میں ان کی بیٹی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھ رہی تھی وہ مر گئی ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔“ بڑے بھیا کے لب بھینچ گئے اور چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے شاید۔

آج کتنے سالوں بعد بڑے بھیا یوں اس کے پاس بیٹھے اپنائیت سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کا دل گداز ہونے لگا اندر کہیں کن کن من ہونے لگی تھی۔ ”پکڑوے تو لو نا ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔“ انہوں نے کسی خیال سے چوتھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ایلیا نے پکڑا اٹھا لیا۔

”ہاں تو پھر تم نے کیا سوچا ہے ایلا اپنی پراپرٹی کے متعلق۔ ابی جان کو کیوں ناراض کرتی ہو پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا ہے تمہارا۔ میں نے سمجھا یا تھا انہیں تمہاری چیز ہے تم جو چاہو کرو لیکن ابی جان تمہیں بے

وقوف سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ تمہارا حق ہے اور یہ کہ وہ تمہارا پیسہ جائیداد تمہارے لیے ہی محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں ان کے خلوص پر شک نہیں کرنا چاہیے۔“

”جی..... لیکن میں ان کے آنے پر جب ان کا وکیل آئے گا سب واپس کر دوں گی۔“

”تمہارا جذبہ قابل قدر ہے گڑیا لیکن تم خود بھی تو اس پراپرٹی کی آمدنی سے شرمین ماما کے نام پر کوئی ٹرسٹ بنا سکتی ہو۔ اسپتال بنانا چاہتی ہو یا جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو کر سکتی ہو۔“

”میں خود.....“ اس نے اپنی طرف حیرت سے اشارہ کیا۔ ”بڑے بھیا مجھے ان معاملات کا علم نہیں یہ میرے بس کی بات نہیں۔“

”تو میں کس لیے ہوں گڑیا جو تم چاہو گی ویسا ہی کروں گا بلکہ میرا خیال ہے کہ تم کچھ پلاٹ فروخت کر دو اور اس رقم سے بقیہ جگہ پر ایک اسپتال بنو دو غریب لوگوں کے لیے اور پلازے کی آمدنی سے اسپتال کے اخراجات وغیرہ پورے ہوتے رہیں گے۔“

”لیکن وہ فائل تو ابی جان کے پاس ہے۔“ اسے بڑے بھیا کی بات صحیح لگی۔

”ہاں“ خیر اس کا کوئی مسئلہ نہیں۔ ابھی تو بقیہ اراضی غالباً زرعی اراضی کے بچے نہ تمہیں ملے ہیں۔ تمہارے وکیل آئیں گے جب تو اس کے بعد ابی جان سے فائل لے لوں گا لیکن.....“ وہ خاموش ہوئے تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”لیکن کیا؟“

”جائیداد کی خرید و فروخت کے سلسلے میں تمہارا مختار نامہ چاہیے ہو گا تو شاید تم اعتبار نہ کرو مجھ پر..... خیر ٹھیک ہے تم نے جو سوچا ہے ویسا ہی کر لو واپس کر دو سب اور اپنی خواہش بتا دینا وکیل کو۔“ ان کے انداز میں بے پروائی تھی۔

”نہیں..... نہیں۔“ اس نے تیزی سے کہا۔

”میں بھلا آپ پر کیوں اعتبار نہیں کروں گی۔ وہ تو میں.....“ اسے تو سمجھن سے ہی بڑے بھیا سے بہت



لگاؤ تھا اور یہ بڑے بھیا ہی تو تھے جنہوں نے امی کی ڈیڑھ کے بعد اسے سنبھالا تھا۔

”تو پھر تھک ہے کل چلیں گے اسٹامپ پیپر وغیرہ لے لیں گے تم صبح تیار ہو جانا۔“

”لیکن وہابی جان نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کر رکھا ہے۔ وہ تو.....“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”ایلا چرو میں بات کروں گا ابی جان سے۔ اب رونا نہیں شبا بٹا اور صبح تیار ہی پکی۔“

”کہاں کی تیاری پکی ہے بھیا.....“ چھوٹے بھیا اپنے کمرے سے نکلے تو ان کے لبوں پر بڑی دگش مسکراہٹ تھی۔

”کچھ نہیں وہ ایلا سے کہہ رہا تھا کل سے کالج جائے اپنے۔ وہ کچھ پٹائے۔“

”لیکن ابی جان نے تو اسے کالج جانے سے منع کر دیا ہے۔“ قریب آ کر انہوں نے جھک کر پلیٹ سے پکڑا اٹھا۔ ان کے لبوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ ”اور آپ جانتے ہیں ابی جان جو کہہ دیتے ہیں اس سے نہیں بچتے۔“

”ہاں ایلیا چند اذرا نیچے جا کر مونا سے کہو چائے تو بنا کر لے آئے۔“ ایلیا بنا کچھ کھے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”دیے ابی جان ایلیا سے بہت خوش ہیں اور کل کہہ رہے تھے کہ ایلیا کا بیڑ بھی اوپر امی کے کمرے میں لگا دیا جائے تو افنی خوش رہیں گی۔“ ایلیا کا دل کپکپایا۔ چھوٹے بھیا نے جاتی ہوئی ایلیا کو کن انہیوں سے دیکھا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولے۔

”دیسے آئیڈیا برا نہیں نیلا ابی جان بھی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔“

”اور ہاں یہ برا وہ اسٹامپ پیپر جس پر ابی جان نے ایلیا سے ہتھیلا کر دوائے تھے۔“ سیزھیوں سے نیچے اترتے ہوئے اس نے سنا۔

”یہ تمہارے پاس کیسے آیا؟“ بڑے بھیا کے لہجے میں استعجاب تھا اور غیر ارادی طور پر ان کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔ وہ وہیں سیزھیوں پر رک گئی۔

”بولی لایا تھا میرے پاس کشتی اور جہاز ہوا کے لیے۔ میں نے یہ رکھ لیا اور اسے دوسرے کا کالج جہاز بنا دیا۔“ چھوٹے بھیا بولے۔

”اور تم نے اتنے دنوں سے ذکر تک نہیں کیا۔ ابی جان کو بتایا تک نہیں۔“ بڑے بھیا نے حیران ہوئے کہا۔

”میں انہیں بتانا نہیں چاہتا۔“ اس نے سنا ہمارا کی آواز اتنی آہستہ ہو گئی کہ وہ کچھ نہ سن سکی۔ ہمارا قدموں سے چلتی ہوئی وہ بچن میں آئی، مونا کنگنا کے ہوئے برتن دھو رہا تھا جب کہ بوا صبح کے دھلے برتن الماریوں میں رکھ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ وہ اسے ترس بھردی اور محبت سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ مونا کو چائے کا کہہ کر خیرن ہوا سے ان کی طبیعت کا پوچھنے لگی لیکن دل جیسے کسی بوجھ سے دبا ہوا تھا۔

”ایلا۔“ خیرن بوانے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کی۔

”تو یہاں سے چلی جائیے وہیں اپنے سسرال ملک صاحب بھردی آ دی ہیں وہ تجھے.....“ مونا صالی سے ہاتھ پونچھ کر چائے کا پانی رکھنے کے لیے گاؤں کی طرف آیا تو بوا گھبرا کر چب ہو گئیں۔

”بوا۔“ ایلیا کی آنکھوں میں آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”میں ان سے کیسے رابطہ کروں۔ میرا سیل فون میرے کمرے سے ابی جان نے بدر کر دیا ہے۔“ مونا کنگنا کے فون لاکڈ ہیں۔ باہر میں جا نہیں سکتی، انکل سے کہہ بات کروں؟“ کاؤنٹر سے ساس پین اٹھا تا مونا پونڈا۔ ”وہ..... وہ.....“ اس نے اپنی جب کو تھپتھپایا۔

آپ کے لیے موبائل آبی صاحب نے دیا تھا۔ ”اچھا۔“ ایلیا نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ”امی اپنے پاس ہی رکھو میں جب اپنے کمرے میں ہوں گی تب دینا۔“

”میں اوپر جا رہا ہوں چائے دینے تو آپ کے کمرے سے برتن اٹھانے کے بہانے جاؤں گا تو مجھے کے نیچے رکھ دوں گا۔“ ایلیا نے ممنونیت سے بولے۔

”مونا بوا آرب ان تینوں سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا۔“ ان تینوں اس کے بھرد تھے۔

”یہ اب تو فون آ گیا ہے نا ملک صاحب کو تو اب کروہ تمہیں.....“

”بوا پلیر کوئی سن لے گا۔“

”مونا مجھے تمہارے لیے ڈر لگتا ہے۔ یہاں سب ہمارے دشمن ہو رہے ہیں۔“

”لیکن میں کیسے کہیں جا سکتی ہوں؟“ اس نے ہائی سے بوا کی طرف دیکھا۔

”یہاں سب.....“ بوانے کچھ کہتے کہتے لب بھیج دیا اور کاؤنٹر پر رکھے برتن پھر سے سینٹ لگیں۔ ایلیا نے سر جھکے دیکھا چھوٹی امی بچن کے دروازے پر کھڑی تھی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ ان کا لہجہ تیز تھا۔

”کچھ نہیں۔“ ایلیا گھبرائی۔ ”چھوٹے بھیا نے کہا ہے کہ کتنے نیچے بھیجا تھا میں بوا سے باتیں کرنے کے لیے۔“

”کیا باتیں ہو رہی تھیں؟“ انہوں نے بوا سے کہا۔

”کیا باتیں ہونا تھیں بی بی۔“ بوا خیرن کو ان کی امی بڑی لگی۔ ”یوں ہی ادھر ادھر کی۔ اپنی بیٹی کا بتا رہی گی۔“ وہ کچھ دیر مشکوک نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

”میں ابی جان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔“

”میںیں بلا وجہ بچن میں آ کر کھڑے ہونے کی بات نہیں۔“ وہ مزے تو ایلیا بھی سر جھکائے بچن کو باہر نکل آئی اس کا دل بھرا رہا تھا۔ سیزھیوں کی بات جانتے ہوئے اس نے چھوٹی امی کی بڑبڑاہٹ سنی۔

”اسی اونچی تھی۔“

”بوان لڑکی کو گھر بٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”ہمارے بار کو جانے کب سمجھ آئے گی۔ بچن میں جوانی ملازم ہے اور کھڑی باتیں بھگا رہی ہے۔ کل کو امی مسئلہ ہو گیا تو لوگ تو سو تیلی ماں کو ہی برا بھلا کہیں گے۔ ہم سے نہیں سمجھتی یہ ڈتے داری۔ میں تو کہتی ہوں کہ ہمارے کہہ دو بول پڑھا کر رخصت کرے زرباب

اب بھی خواہش مند ہے۔“ اسے چھوٹی امی کی بڑبڑاہٹ پر ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی ہوا۔ کیا وہ اس کی جائیداد کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی ہیں۔ ورنہ چند دن پہلے تک تو وہ آرب کو لپچا رہی تھیں کہ وہ اس سے شادی کر لے۔

”مما کیا ایلیا اب پھر غریب ہو گئی ہے؟“ اس نے انوشہ کی آواز سنی اور اس کا بے اختیار جی جا ہا کہ وہ مڑ کر چھوٹی امی کے چہرے کے تاثرات دیکھے لیکن اپنی اس خواہش پر بمشکل قابو پاتے ہوئے وہ سیزھیوں پر چڑھنے لگی۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا ابھی تک لاؤنج میں بیٹھے آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ سر جھکائے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

”زندگی کتنی مشکل ہے۔“ اس نے دھڑکنے سے سوچا اور تکیہ اٹھا کر نیچے پڑے موبائل کو دیکھا۔ بہت خوبصورت سیٹ تھا۔ اس کا بہت جی جا ہا کہ ابھی انکل اور چاچی سے بات کر لے کتنے دن ہو گئے تھے لیکن پھر اس نے خود کو سمجھایا۔

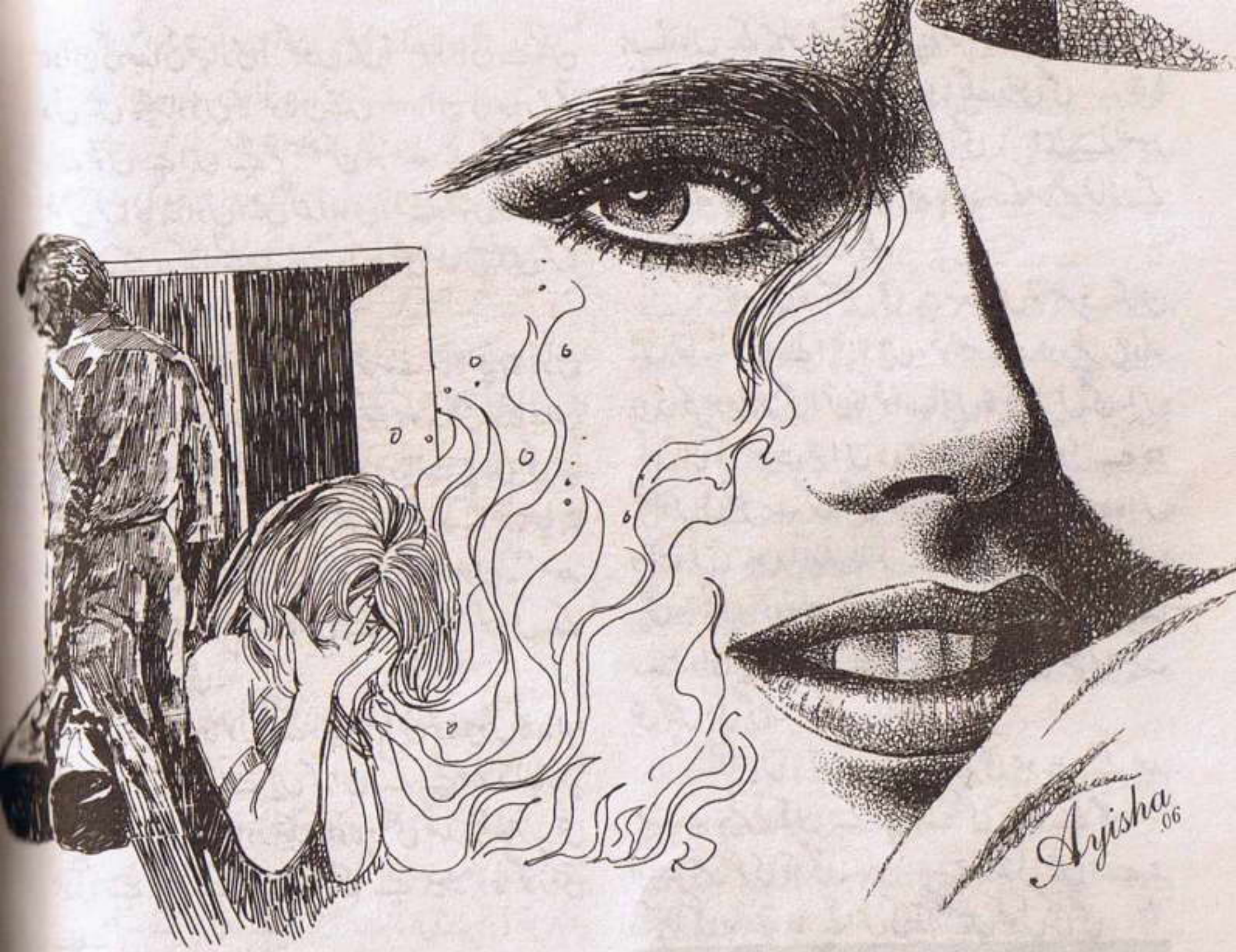
”رات کو جب سب سو جائیں گے تب فون کروں گی۔“ اس نے موبائل جوتوں کے خالی ڈبے میں رکھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے اور کرسی کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

دولت کتنی بڑی چیز ہے جو خون کے رشتوں کو بھی جدا کر دیتی ہے۔ کاش یہ سب جائیداد دولت اسے نہ ملتی صرف ان رشتوں کی محبتیں اسے مل جاتیں تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔ ہند آنکھوں کے پیچھے نمی پھیلتی گئی اور وہ آنکھیں موندے یونہی کرسی کی پشت پر سر رکھے سوچتی سوچتی نہ جانے کب سو گئی۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں







نکھت

## ابھی اک خواب باقی ہے

نگہت سیما

آخری حصہ

آئی تھی تو وہ پانچ گھنٹے سوتی رہی ہے۔ کل رات بھی...  
اسے نیند نہیں آئی تھی۔ پیشانی پر آئے بالوں کو پیچھے  
ہٹاتے ہوئے اس کی نظر ٹیبل پر پڑی جہاں ٹرے میں  
کھانا تھا شاید مونارکھ گیا تھا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو باہر بارش ہو رہی تھی ٹپ  
ٹپ بوندیں کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ گھبرا  
کر اٹھ کھڑی ہوئی... اس کی نظریں سامنے کلاک پر  
پڑیں بارہ بج رہے تھے۔ وہ سات بجے اپنے کمرے میں



جب سے سب کا موڈ بدلا تھا اسے کھانے پر بلانا نہیں اکثر یا نہیں رہتا تھا۔ موتا یا بوا کھانا اسے کمرے میں ہی دے جاتے تھے۔ یہ اس کے کوئی نہیں تھے لیکن ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے ٹرے میں رکھی پلیٹ کی طرف دیکھا۔ لیکن پاؤں تھا جواب تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ساتھ چینی اور رائیہ اس نے دوپہر میں بھی کھانا نہیں کھایا تھا لیکن پھر بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے صرف ایک کچنگ چاول کھائے اور پلیٹ کو ڈھک کر بیڈ کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ٹرے کا دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔ مارے خوف کے اس نے جھرجھری لی۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی بارش کی پھوار بھی اندر آئی دروازہ لاک نہیں تھا اور تیز ہوا سے کھل گیا تھا۔ پتا نہیں بارش کب شروع ہوئی۔ اس نے دروازہ بند کرنا چاہا تو یکایک بجلی چمکی اور پھر بادلوں کی گرج۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ کوئی چنچا ہو۔ وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ اس کے کانوں میں رونے کی آواز آئی اور پھر معدوم ہو گئی۔ اس نے آواز سننے کی کوشش کی تو یکایک بارش کی بوچھاڑ اندر تک آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے لاک کیا اور بستر تک آتے آتے وہ ایک دم چو گئی۔

”بڑی امی..... یہ یقیناً بڑی امی تھیں۔ وہ ڈر رہی ہوں گی۔“ بجلی پھر چمکی تھی اور بادل بڑے زور سے گرجے۔ اس کے کان میں کوئی آواز نہیں آئی تھی پھر بھی وہ یوں محسوس کر رہی تھی کہ بڑی امی رو رہی ہیں چنچ رہی ہیں کچھ دیر وہ گھنٹوں کے گرد بازو پلیٹ کر بیڈ پر بیٹھی رہی۔

”اور اگر وہ میری ماں ہوتیں تو.....“ ایک لمحے کو اس نے سوچا اور مضطرب سی ہو کر بیڈ سے اتر آئی۔ دروازہ کھول کر لاؤنج میں دیکھا۔ ٹائٹ بلب کی مدھم روشنی سارے میں پھیلی تھی۔ کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے اور سب کے کمروں میں خاموشی تھی شاید سب سو چکے تھے۔ بارہ بج چکے تھے۔ گیارہ بجے تک عمو سب سو جاتے تھے۔

وہ کچھ دیر کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں کھڑی

رہی پھر چائی اٹھا کر سیزجیوں کی طرف بڑھ گئی۔ بارش میں بھیکتی ہوئی جب وہ برآمدے میں پہنچی تو بڑی امی کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

”بڑی امی۔“ دروازہ کھول کر اس نے انہیں آواز دی۔ وہ اپنے بیڈ پر گھنٹوں پر سر رکھے بیٹھی تھیں اور رو رہی تھیں۔

”بڑی امی۔“ اس نے پھر پکارا تو انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ خوف زدہ وحشت بھری آنکھیں۔

”آپ کو ڈر لگ رہا تھا؟ میں آپ کو لینے آئی ہوں، پلیس میرے ساتھ میرے کمرے میں۔“ وہ بشیر کچھ کہے تیزی سے انہیں اور مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے تھا سے نیچے آ گئی۔ دیکھی ہی خاموش تھی۔ وہ انہیں ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور انہیں بیڈ پر بٹھایا۔

”یہاں سو جائیں“ میں ادھر بیٹھی ہوں آپ کے پاس۔“

”تم کہاں سو گئی؟“ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔

”میں ابھی سو کر اٹھی ہوں مجھے نیند نہیں آرہی۔“ ایلیا مسکرائی۔ ”آپ بے فکر ہو کر سو جائیں۔“

”میں سو رہی تھی پھر بجلی چمکنے لگی بارش ہونے لگی۔ میں نے کھڑکی بند کر دی پھر بھی مجھے ڈر لگنے لگا۔“ وہ معصومیت سے کہہ رہی تھیں۔ ”یہ بارشیں اور بادل بہت ڈراؤنے ہوتے ہیں۔“ ایلیا نے انہیں کندھوں سے تھامتے ہوئے لٹا دیا۔

”آپ سو جائیں بڑی امی آپ کو اب ڈر نہیں لگے گا۔“

”اچھا۔“ وہ خاموشی سے لیٹ گئیں ان کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔ کھانے کے بعد انہیں سکون کی جو گولی دی جاتی تھی وہ نیند کی ہوتی تھی شاید بارش کے خوف سے وہ سو نہیں پاتی تھیں اس لیے بیڈ پر لیٹنے ہی کچھ دیر بعد وہ سو گئیں تو ایلیا نے ہلکا سا ہلکا ہلکا آواز دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کر ایک بار پھر سوچوں میں گھوٹی۔

باہر امی طرح بارش ہو رہی تھی۔

”گنا ہے آج بارش خوب برے گی۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ابھی اسے موہاں کی ہلکی سی سیپ سنائی دی تو اس نے چونک کر بیڈ کے نیچے پڑے جوتے کے ڈبے کی طرف دیکھا۔

”اوہ“ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا مجھے تو انکل کو نون کرنا تھا لیکن..... سیپ..... یہ تو نیا سیٹ ہے اور نئی سم پھر یہ خبر تو کسی کو بھی نہیں معلوم!“ خود سے اچھے ہوئے وہ ابھی اور آہستگی سے ڈبے سے نون نکالا۔

”ہیلو ایلیا! آپ سو رہی تھیں؟“ یہ آرب کی آواز تھی۔ اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔

”ہاں..... نہیں تو۔“ اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے بڑی امی کی طرف دیکھا۔

”ایلیا میری بات سنو بہت غور سے۔“ آرب کی آواز بہت آہستہ تھی۔ ”یہاں تمہارا مزید رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ کئی بار مجھے گمان گزرا کہ تمہاری جان لینے کی کوشش کی جا رہی ہے بھی انوشہ کی کسی بات سے بھی موتا کی باتوں سے پھر بلال والے واقعے سے تو..... غیر ان باتوں کا وقت نہیں۔ آج ملک صاحب تمہاری شہریت معلوم کرنے آئے تھے لیکن انہیں تم سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جس وقت تم مکان میں بوا خیرن سے باتیں کر رہی تھیں اس وقت ملک صاحب گیٹ پر کھڑے تھے۔“ ایلیا دم سادھے آرب کی باتیں سن رہی تھی۔ انکل آئے تھے وہ ان سے مل نہیں سکا وہ یونہی چلے گئے۔ ایک گھرے اندر تک کانتے ہوئے دکھ نے اس کے دل کو اپنی پلیٹ میں لے لیا۔

”میں نے ان سے رابطہ کیا اور ان کے ہوٹل ان سے ملنے گیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے ہی میری ان سے بات ہوئی ہے۔ وہ تقریباً گھنٹے تک پچھلے گیٹ سے کچھ فاصلے پر ایلیا کا زنی کھڑی کریں گے۔“ (یہ چھوٹا گیٹ عمو مارا اپنے کوارٹر میں جانے کے لیے استعمال کرتے تھے اور ان کے روموٹ وغیرہ)

”تم اپنا نیک تیار کرو بہت ضروری چیزیں رکھ لو۔“

ابھی جب تین دوں تو خاموشی سے نیچے اتر آنا۔

”اس وقت اتنی رات گئے۔“ اس نے گھبرا کر

گھڑی دیکھی۔ ایک بجنے والا تھا۔

یہ بہت ضروری ہے ایلیا۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتا اس وقت لیکن مجھے ڈر ہے آج یا کل..... چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا ایسی ہی ایک کوشش اور کرنے والے ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر بار وہ ناکام ہو جائیں۔“ ایلیا کو لگا جیسے اس کا پورا وجود پتھر کا ہو گیا ہو۔

”انکل آقا اب تمہیں تمہارے اپنوں کے پاس پہنچا دیں گے۔“ ایلیا میرا یقین کر دیا یہاں تمہارے لیے اب خطرہ ہے۔ آج کے بعد شاید ایسا موقع نہ ملے۔ میں ابھی کہنی کے کسی کام سے دو تین ماہ کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے انوشہ نے بتایا ہے کہ.....

”ٹھیک ہے۔“ ایلیا کو اپنی آواز خود دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ فون آف کر کے وہ کچھ دیر یونہی ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی رہی۔ کلاک نے ایک بھیا یا تو وہ چونک کر ابھی بہت آہستگی سے چند جوتے کپڑے زیندات اور اپنے دوسرے کاغذات وغیرہ بیک میں رکھے۔ ایک نظر سکون سے سوئی ہوئی بڑی امی پر ڈالی۔ اور پھر ایک فاصلے سے کاغذ نکال کر لکھا۔

”بڑے بھیا

یہ آپ کی ماں ہیں۔ یہ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے ڈر کر چیخ رہی تھیں۔ میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں لیکن یہ ماں ہیں اور ماں تو صرف ماں ہوتی ہے۔ بڑے بھیا مجھ سے ان کا رونا برداشت نہیں ہوا۔ آپ ساری زندگی ان کے صرف ماں ہونے کا حق ادا نہیں کر سکتے اس تکلیف کا جو انہوں نے آپ کی پیدائش میں سہی.....

بڑے بھیا میں تو غیر ہوں سو تکی ہوں لیکن یہ تو آپ کی ماں ہیں ان کے لیے آپ سو تیلے کیوں بن رہے ہیں۔ میں انہیں نیچے لے آئی ہوں۔ انہیں اسی کمرے میں رہنے دیں کیونکہ میں اس گھر سے جا رہی ہوں جہاں میری زندگی کو خطرہ ہے۔ میں اپنی ماں کے سینے جاری ہوں۔ آپ چاہیں تو ان کے لیے نرس رکھ لیں۔ دیکھ بھال کے لیے میرے اکاؤنٹ میں میرے حق مہر کے روپے ہیں وہ نرس کی تنخواہ پر خرچ کر سکتے ہیں میں چیک لکھ کر رکھ رہی ہوں پھر بھی اگر آپ نہ رکھنا چاہیں تو قید



ایک روز میں نے اور الوش نے ٹی وی پر پروگرام دیکھا تھا۔ یوڑے مرد اور عورتیں جو مرد اور عورتیں نہیں تھے صرف جوان بچوں کے ماں باپ تھے جن کے بچے انہیں وہاں چھوڑ گئے تھے۔ وہ پروگرام دیکھ کر میری اچھا تھا کہ بچپن میں مار مار کر روؤں اور ان والدین کو اتنی خوشیاں دوں کہ وہ اپنی اولاد کا ظلم بھول جائیں لیکن کیا خوشیاں اولاد کے دیے دکھ بھلا سکتی ہیں۔ بڑے بھیا الوش نے مجھ سے پوچھا تھا۔ ایسا یہ بچے جو اپنے ماں باپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں جب یہ یوڑے ہوں گے تو کیا ان کے بچے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی نہیں کریں گے کیا وہ انہیں اپنے پاس رکھ لیں گے۔ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ شاید آپ کے پاس ہو۔ ایک بار یہ سوال خود سے ضرور کیجیے گا بڑے بھیا اور ابی جان سے کہیے گا کہ وہ مجھے طلاق نہ دلاوے اور مجھ سے یونہی محبت سے سب کچھ مانگ لیتے تو میں سب کچھ دے دیتی نہ اٹکل آفتاب کو دولت کا لالچ تھا نہ مجھے..... اور بھی بڑی امی کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کر کے دیکھیے گا کہ وہ کتنی ہوشمندی کی باتیں کرتی ہیں۔

اس نے خط اور چیک بیل پر رکھ دیا۔

وقت جیسے گزر رہی نہیں رہا تھا۔ باہر بارش اسی طرح ہو رہی تھی کبھی کبھی بجلی چمکتی اور بادل گرجتا۔ ابھی اتنی مشکل سے وقت نہیں گزرا تھا جیسے آج۔ جوں ہی کلاک نے دو بجائے بیل فون پر بجلی سی پیپ ہوئی وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ وہ اپنی دھڑکنیں خود سن سکتی تھی۔ اس نے کرسی کی پشت پر لگی چادر اٹھا کر اپنے گرد لپیٹی اور بیک اٹھالیا پھر دھڑکنے والے دروازہ کھولا۔

ہر طرف خاموشی تھی بس بارش کی ٹپ ٹپ تھی۔ اس نے جوتے اتار کر ہاتھوں میں پکڑے۔ آہستگی سے دروازہ بند کر کے وہ دیے قدموں چلتی ہوئی سیڑھیوں تک آئی اور یوں ہی آہستگی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیچے لاؤنج میں زیر و کا بلب جل رہا تھا۔ لیکن کار دروازہ

نیم وا تھا اور کھلے دروازے میں آرب کھڑا تھا۔ اس نے دیکھ کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ یونہی آہستگی سے ادھر ادھر دھکتی ہوئی پکن میں آئی آرب نے بیک اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔

”ریلیکس ایلیا۔“ آرب نے سرگوشی کی اس کا کانپا ہاتھ ایک لمحے کے لیے اپنے ہاتھ میں لے کر پیچھے ہٹا اور پکن کا دروازہ آہستگی سے بند کر دیا۔ لیکن کا دوسرا دروازہ باہر پچھلے لان کی طرف کھلتا تھا۔ کام والی لڑکیاں اسی دروازے سے پکن میں آتی تھیں۔ دروازے کے سامنے لاٹری تھی اور ساتھ ہی ملازموں کا واش روم تھا۔

”جوتے پکن لو۔“ آرب نے سرگوشی کی۔ گو جوتے ریڈ سول کے تھے پھر بھی احتیاطاً اس نے اتار لیے تھے۔ بیک دائیں کندھے پر لٹکاتے ہوئے آرب نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”آؤ۔“ لیکن کے دروازے کا لاک وہ پہلے ہی کھول چکا تھا بجلی سی چرچاہٹ سے دروازہ کھلا تو وہ خوفزدہ ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پر آرب کے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چھوٹا سا ان عبور کر کے چھوٹے گیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔ انہیں باہر نکلتے دیکھ کر ذرا قاصطے پر کھڑی گاڑی حرکت میں آئی..... بالکل ان کے قریب آ کر رکی اور دروازہ کھلا۔

”آ جاؤ بیٹا۔“ وہی مہربان آواز بے آواز آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے آرب نے بیک سیٹ پر پھینکا۔

”او کے اٹکل میرا کام یہاں تک تھا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔“

”تم بے فکر ہو۔“ آرب کی نظر ایک لمحے کو اس کی طرف اٹھی۔ سہی سہی آنکھیں، پھلکی پھلکی پلکیں وہ ایک تک اسے دیکھتا چلا گیا۔ ایلیا کی نظریں اٹھی تھیں پھر فوراً ہی جھک گئیں۔ ہلا کی وارنٹی تھی آرب کی آنکھوں میں اور چہرے پر عجب اداس سے رنگ بکھرے تھے پھر وہ یکدم مڑ گیا اور ذرا نیورے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”ایلیا بچے۔“ ملک آفتاب نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کسی تجھے بچے کی طرح تسکے ہوئے ان سے لپٹ گئی۔ وہ ایک بازو اس کے گرد مائل کیے ہوئے ہوئے اسے چمکنے لگے۔

”بابا جان آپ کو ماما سے بہت محبت تھی“ ایلیا نے ملک حیات کے پاؤں دباتے ہوئے ان کی طرف دیکھا وہ اپنے بیڈ پر لیٹے تھے اور وہ ان کی پانچٹی نیچی ان کے پاؤں دبا رہی تھی حالانکہ انہوں نے اسے منع کیا تھا لیکن اسے اچھا لگتا تھا اس طرح ان کی خدمت کرنا۔ شاید اس طرح وہ اس دکھ کا ازالہ کرنا چاہتی تھی جو شرمین نے انہیں دیا تھا۔

”ہاں۔“ وہ مسکرائے۔ ”بہت زیادہ میں نے اس کے بہت لاڈ اٹھائے تھے۔ وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی چھ سات سال کی تھی تب بھی میں اسے گود میں اٹھائے پھرتا تھا۔ میں نے اس کی ماں کے استے لاڈ نہیں اٹھائے تھے۔ میں انیس سال کا تھا جب میری شادی ہوئی اور انیس سال کی عمر میں ایک بچی کا باپ بھی بن گیا۔“

”رخسانہ دادا دادی کی بہت لاڈلی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اسے دادا دادی نے ہی پالا۔ وہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ والدین کے سامنے بچوں سے لاڈ کرتے ہوئے بھی ہجک آتی تھی۔ گود میں اٹھاتے ہوئے میں ہجک جاتا حالانکہ کبھی بڑا دل چاہتا تھا کہ اسے گود میں اٹھا کر گھمائے۔ لے جاؤں سیر کرواؤں اور وہ رہتی بھی زیادہ دادا دادی کے پاس ہی تھی۔“

وہ پرانی یادیں کر رہی تھیں تھوڑا لاکھ آنکھوں میں ہلا کی ہلک سی اور وہ بہت شوق سے سن رہی تھی۔ ان سے اپنی ماما کی باتیں سننا اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ یوں ہی کوئی نہ کوئی سوال کر کے یادوں کے درکھول دیتی تھی۔

”پھر وہ سولہ برس کی ہوئی تو میری اماں نے اس کی شادی طے کر دی۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا میں چاہتا تھا وہ بڑھے لیکن اماں نے میری ایک نہ سنی..... اس کی لڑائی کر دی..... میں نے اسے جی بھر کر پیار بھی نہیں کیا تھا کہ وہ چلی گئی اور شرمین کو ہماری جھولی میں ڈال گئی۔

میں نے رخسانہ کے جیسے کا پیار بھی اسے دے ڈالا شاید میرے اس حد سے زیادہ لاڈ نے اسے تھوڑا غندی بنا دیا تھا۔ اس کی ہر خواہش پوری کرنا ہم باپ بیٹا اپنا فرض سمجھتے تھے تب ہی تو..... وہ ایک غندی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ آنکھوں کی سطح ہمیشہ کی طرح شرمین کا ذکر کرتے کیلی ہوئی تھی اور ہمیشہ کی طرح بہت باری کیلی گئی بات کو ایلیا نے پھر دہرایا۔

”بابا جان آپ اب تو ماما سے خفا نہیں ہیں۔ اب تو آپ نے انہیں معاف کر دیا نا۔“

”میں نے تو اسے بھی معاف کر دیا تھا بہت پہلے جب شرمین بتایا تھا کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہی۔“ انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔

”اس رات شرمین میرے کمرے میں آیا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ رویا تھا بہت پھر وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور اس نے میرے ہاتھ قحام لیے۔“

”بابا جان کبھی کبھی ہماری بہت جیتی چیز ہم سے کھو جاتی ہے۔“ یا اللہ میرے پاس تو اب کھونے کو کچھ نہیں رہا پھر یہ شرمین کبھ رہا ہے۔

”بہو کہاں ہے ٹھیک تو ہے ناں!“ میں نے گھبرا کر پوچھا۔ اس نے سر ہلادیا لیکن اس کی آنکھوں میں تو سمندر چھپے تھے۔

”بیٹا متاؤ ناں۔“ باپ نے اسے جھجھکا تو جیسے سمندر ابل پڑے وہ بے اختیار میرے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ بچکیاں لینے لگا۔

”بابا جان شرمین چلی گئی۔“ میں نے ڈر کر اسے دیکھا کہیں اس کا ذہنی توازن تو نہیں بگڑ گیا۔ کتنا خاموش خاموش رہنے لگا تھا ان سات آٹھ سالوں میں وہ اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا کہ مجھے اس کی سنجیدگی سے خوف آنے لگا تھا۔

”اسے گئے تو سال نہیں صدیاں بیت گئیں۔“

”بابا وہ اس دنیا سے چلی گئی، وہ روٹھ گئی۔ ہمیں منائے بغیر ہم سے ملے بنا ہمیشہ کی جدائی دے گئی۔“



میرا دل جیسے رکنے لگا۔ رک رک کر جلنے لگا۔ کچھ دیر بعد ہم باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے گلے اس کٹھور کے لیے رو رہے تھے جس نے ایک اجنبی کی محبت کے لیے ہماری محبتیں بھلا دی تھیں۔ پھر میں نے کہا۔  
 ”اٹھو شمر چلو ہم اس کا آخری دیدار کر لیں“ لیکن شمر بیٹھا رہا بونہی۔

”بابا جان اسے اس دنیا سے رخصت ہوئے چار دن ہو گئے ہیں۔“

”اور تم اب بتا رہے ہو شمر..... کیا میرا دل پتھر تھا؟“ میں نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

”بابا جان۔“ شمر نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔  
 ”ابھی کچھ دیر پہلے اسفند کا فون آیا تھا۔ میں نے نہیں پوچھا کہ اسے ہمارا نمبر کہاں سے ملا۔ یہ تو آفتاب کے پاس بھی نہیں شاید حویلی سے لیا ہوا اس نے ہی بتایا ہے کہ چار دن پہلے..... اور وہ کہہ رہا تھا کہ مبارک ہو جشن مناؤ۔“ شمر کی آنکھیں پھر لہو روئے نہ لگیں تو میں نے غصے سے منٹھیاں بچھینچ لیں۔ وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اسے شوٹ کر دیتا۔

”بابا جان۔“ اس نے ان کے بوڑھے رخساروں پر اٹکے آنسو کو اپنی انگلی کی پور سے پونچھا۔

”سوری میں نے آپ کو اداس کر دیا۔“  
 ”یہ اداسیاں تو دل پر رقم ہیں بیٹا تم سے بات کرتا ہوں تو دھل جاتی ہیں کچھ نہ کچھ۔“ وہ آنسوؤں کے ساتھ مسکرائے تھے۔

”اور تب آپ کو میرا پتا نہیں تھا اگر آپ کو پتا ہوتا تو پھر آپ مجھ سے ملنے آتے نا.....“ آنکھوں میں آس کے جگنو چھپائے اس نے انہیں دیکھا۔

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں آتا۔“ وہ تھوڑا سا اٹھے اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

”شمرین کے بعد شمر کا دل تو جیسے اور بھی اداس ہو گیا تھا لگتا ہی نہیں تھا یہاں، سو ام نے ملک ہی چھوڑ دیا۔ بہت عرصے بعد پھر یہاں چلے آئے۔ میں بہت اداس ہو گیا تھا اور اپنے وطن کی فضاؤں کے لیے ترس رہا تھا۔ چھ سال پہلے یہاں آ گئے۔ شمر کو خدا نے اولاد نہیں

دی اللہ کی مرضی۔ ایک بیٹا مردہ پیدا ہوا اور اس کے بعد پھر..... سب نے ہی شمر سے دوسری شادی کے لیے کہا لیکن وہ عفت کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسفند نے پھر دو سال پہلے ہمیں کھوج لیا اور ہمیں کہلوایا کہ شمرین کے حصے کی قانوناً تم وارث ہو اور اگر ہم نے تمہارا حصہ نہ دیا تو وہ تمہاری طرف سے قانونی چارہ جوئی کر دے گا۔ میں تو یہ سن کر ہی تڑپ اٹھا۔ تم تھیں میری شمرین کی نشانی اور ہم بے خبر تھے۔ شمر نے اسے کہلوایا کہ تمہارا حصہ تمہیں مل جائے گا..... ہم باخبر ہوتے تو بہت پہلے ہی دے چکے ہوتے۔ شمر نے تم سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی لیکن اس نے کہا۔ تم ہم سب سے نفرت کرتی ہو ملنا نہیں چاہتی۔“ یہ بات اسے پہلی بار معلوم ہو رہی تھی اور اس نے آج ایک بار پھر اسفند یار کے لیے دل میں بے حد نفرت محسوس کی۔

”شمر نے اچھی طرح تصدیق کر کے کہ تم شمرین کی بیٹی ہو۔ جائداد تمہارے نام منتقل کروانی شروع کی تھی اور یہ دل کج بخت دغا دینے لگا تو.....“

”بابا جان آپ پھر اٹھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔“ شمر نے اندر آ کر انہیں کندھوں سے پکڑ کر لٹایا۔ ”یقیناً ماضی کی کہانیاں سنائی جا رہی ہوں گی۔ آپ جانتے ہیں نا آپ کا دل.....“

”یار اب اٹھتر سال کی عمر میں دل نے دغا دینی ہی ہے اور تم مجھے میری بیٹی سے بھی باتیں نہیں کرنے دیتے۔“

”آپ پورے دو گھنٹے سے ایلیا سے باتیں کر رہے ہیں بس اب آرام کریں۔“

”تمہیں تو پولیس میں بھرتی ہونا چاہیے تھا شمر۔“ انہوں نے پیار بھری خفگی سے کہا اور نیم دراز ہو گئے۔

”سوری ماموں۔“ ایلیا نے شرمندگی سے انہیں دیکھا۔  
 ”کوئی سوری نہیں، چلو اٹھو باہر تمہاری مامی تمہیں بلارہی ہیں اور اب میں یہاں بیٹھوں گا۔“

”اسے کہتے ہیں ظالم سماج۔“ ملک حیات نے مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

”آپ کی دوا کا بھی ٹائم ہو چکا ہے پہلے دوا لے



لیں۔" شمر نے ایلیا کی طرف دیکھا تو ایلیا نے بڑی سعادت مندی سے اٹھ کر نبیل پر رکھی دوامیں شمر کی طرف بڑھا دیں۔ اور خود پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھا دیا۔

"جاؤ بھگواں یہاں سے۔" شمر کے لہجے میں اس کے لیے شفقت و محبت تھی وہ مسکراتی ہوئی اور پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی ملک حیات کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

"مجھیں ایسا نہیں لگتا شمر جیسے شمرین اس گھر میں چل پھر رہی ہے۔ بالکل ویسی ہی ہے لیکن اس سے زیادہ سمجھدار ہے۔"

"بے انتہائی کے دکھوں نے اسے کندن بنا دیا ہے بابا جان۔" شمر بھی مسکرایا۔

"میری بچی نے بہت دکھ اٹھائے ہیں شمر میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کی جمولی خوشیوں سے بھر دوں کم از کم اتنا اور جی لوں کہ اس کا گھر آباد کیج سکوں۔ ہم اس کی شادی بہت دھوم دھام سے کریں گے ہیں نا۔" آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ شمر نے سر ہلا دیا۔ کہتے سارے پرانے خوابوں نے آنکھوں میں پھل چا دی تھی اور دروازے کے ساتھ لگی کھڑی ایلیا آنکھوں میں اٹھ آنے والے آنسو پھراتے ہوئے مای کو ڈھونڈتی ہوئی بچن میں آگئی۔ مای بچن میں مصروف تھیں۔

"مای آپ نے بلایا تھا؟"

"نہیں تو" انہوں نے مز کر اسے دیکھا۔

"بابا جان سو گئے کیا؟"

"نہیں تو لیکن ماموں جان نے مجھے وہاں سے اٹھا دیا۔" اس نے منہ بنایا۔

"چند بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ جب تم سے شمرین کی باتیں کرتے ہیں تو ان کا دل کمزور چرنے لگتا ہے۔"

"مای ڈاکٹر کیا کہتے ہیں کیا کوئی خطرہ۔۔۔؟"

وہ پریشان ہوگئی۔

"ہائے پاس کے بعد تو یوں بھی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اور اس عمر میں تو اچھے بھلے صحت مند

دل کے لیے بھی اچانک کوئی خوشی اچانک کوئی دکھ نقصان وہ ہوتا ہے۔ خدا ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔"

"آمین۔" اس نے دل ہی دل میں ان کی لمبی زندگی کی دعا کی۔ "میں بددکروں آپ کی؟"

"نہیں نہیں گڑیا تم جاؤ۔ میں بس بابا جان کے لیے سوچ رہی تھی۔ بانی تو مسلم کر لے گا سب۔"

"اللہ کرے بابا جان کو کبھی کچھ نہ ہو ابھی تو میں جی بھر کر ان کی محبتوں کو محسوس بھی نہیں کر پائی۔ ابھی تو یوں لگتا ہے۔۔۔۔۔ جیسے ابھی ابھی ان محبتوں کا ڈانٹہ چکھا ہے۔ وقت کتنی جلدی اور تیزی سے گزر رہا ہے لیکن لگتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔" وہ بچن کے پاس سے ہٹ کر آؤں میں آکر بیٹھ گئی۔

وہ ملک آفتاب کے ساتھ ڈری سکی سایہ وال آئی تھی اور وہاں سے چاہی کے روکنے کے باوجود وہ اگلے روز ہی اسے ہائے ایتر کراچی لے آئے تھے اور ملک حیات اور شمر سے اس کی ملاقات وہ کتنا جذباتی منظر تھا۔ ملک حیات کتنی ہی دیر اسے اپنے بازوؤں میں لیے کھڑے رہے تھے پھر ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے تو شمر نے اسے ان سے الگ کر دیا تھا۔ ملک آفتاب پہلے ہی انہیں سب کچھ بتا چکے تھے اس لیے کسی نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

"میری عمر اٹھ سو سال ہے اور میں رشتے میں تمہارا بڑا نا لگتا ہوں لیکن تم چاہو تو مجھے بابا جان کہہ کر بلاؤ۔" اسے انہیں بابا جان بلانا بہت اچھا لگتا تھا۔ شمر کو بھی اس نے ماموں کہہ کر بلانا شروع کر دیا تھا شمر ماموں کہتے شائد اڑتے۔ اڑتا لیس، اٹا لیس سال کی عمر میں بھی وہ بیک ہی لگتے تھے۔ مای عفت بھی بہت پیاری تھیں اور بہت محبت کرنے والی۔

"دیکھو اللہ نے ہمیں اس عمر میں اتنی پیاری بچی ملائی مٹی دے دی۔" انہوں نے شمر حیات سے کہا تھا اور وہ مسکرا دیے تھے پھر وقت تو جیسے پر لگا کر اڑنے لگا تھا جلد ہی وہ سب سے یوں گھل مل گئی تھی جیسے وہ جنم جنم سے یہاں ان ہی کے ساتھ رہتی چلی آ رہی تھی۔

اس اتنے بڑے خوبصورت گھر میں اس کا کراہا بابا جان نے اپنی گھرائی میں تیار کر دیا تھا۔ بابا جان اور شمر ماموں سے باتیں کرتے اس کا جی نہیں بھرتا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی بار وہ دل کھول کے ہنسی بھی پہلی بار اس نے جانا تھا کہ اپنوں کی محبتیں کیا ہوتی ہیں۔ اس کے آنے کے بعد ماڈل ٹاؤن والے اس گھر میں کیا درجہ مل ہوا تھا کیا کیا کچھ کہا گیا تھا اسے خبر نہیں تھی۔ آرب کسی کورس کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا تھا اور جانے سے پہلے وہ اس کی پر اپنی کے کاغذات والی فائل اور اس کا دستخط شدہ اسٹامپ پیپر ملک آفتاب کو دے گیا تھا۔ یہ سب اس نے کیسے حاصل کیے تھے وہ نہیں جانتی تھی۔ ان تین سالوں میں آرب نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا ہاں بھی کبھی اس کے خوبصورت میجر اس کی بیسٹ دسز اسے ملتیں تو کتنی ہی دیر تک وہ کھولی رہتی بار بار ان میجر کو پڑھتی اور ہر بار دل جب طرح سے دھڑک اٹھتا۔

"کیا یہ محبت ہے؟" اس نے بار بار اپنے آپ سے پوچھا تھا اور "کیا میں آرب معافی سے محبت کرنے لگی ہوں۔" لیکن اس نے کہا تھا۔

"ہمارے راستے الگ ہیں ہم شاید کبھی نہ مل سکیں لیکن تم ہمیشہ میرے دل میں ہی رہو گی مجھ پر حکومت کرنی رہو گی۔" یہ راستے کیا کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ وہاں پیٹنے بیٹنے اس نے سوچا تھا اور ادا سی تہہ در تہہ اندر اترنے لگی تھی۔ ان بیتے تین سالوں کے ہر لمحے میں وہ اسے یاد آیا تھا۔ اس نے بی اے کا پرائیوٹ امتحان دے کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور چند دن پہلے ہی پیپر دے کر فارغ ہوئی تھی۔ ان تین سالوں میں کئی بار چاہی اور آفتاب ملک اس سے ملنے آئے تھے۔ وہ ابھی ایک بار شمر ماموں کے ساتھ ان کے ہاں گئی تھی اور جب ملک آفتاب نے خوب مزے لے لے کر بتایا تھا۔

"جہیں کراچی چھوڑ کر آیا تو اسفند یار نے مجھے فون پر خوب گالیاں سنائیں۔ ایک بار نہیں گئی ہار فون کیا۔"

"تم نے ہی اسے غائب کر دیا ہے میں کیس کر

دوں گا۔"

"میں نے کہا کر دو۔" کاش ابی جان ایسے نہ ہوتے۔ اس نے دگرنگی سے سوچا بھی شمر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"بابا جان سو گئے کیا؟" اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ہاں۔" شمر حیات خان اسے ہی دیکھ رہے تھے آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

"بابا جان بہت صحت مند اور طاقتور تھے لیکن شمرین کا دکھ ان کے دل کو دیمک کی طرح چاشقار ہا اور ایک دن وہ ڈھے گئے۔ ایلا بابا جان چاہتے ہیں کہ وہ جنہیں اپنے گھر بار کا کر دیں۔ انہیں صرف تمہارے پاس سڑکا کا انتظار تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے پھر۔۔۔۔۔ اور اب تمہاری تعلیم مکمل ہو چکی ہے ایلیا کچھ روز تک تمہارا رزلٹ آ جائے گا۔"

"لیکن ماموں جان میں نے تو ابھی جی بھر کے۔۔۔۔۔ آپ سب کو دیکھا بھی نہیں۔ میرا دل تو ابھی آپ کی محبتوں سے نہیں بھرا ابھی تو۔۔۔۔۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔

"تو گڑیا۔" شمر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "ہمارا دل کب بھرا ہے لیکن بیٹیوں کو ایک روز رخصت کرنا ہی ہوتا ہے ریت ہے جتنا اور میں چاہتا ہوں بابا جان تمہاری شادی کر کے اپنی ناقص حسرتیں پوری کر لیں۔ وہ تمہاری خوشی دیکھ لیں۔ گڑیا ہم اگر تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کریں گے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

نظروں میں آرب معافی کا تصور لہرایا تھا اور اندر دل کی زمین پر قطرہ قطرہ پانی گرنے لگا تھا جو سارا من بھگوتا جا رہا تھا۔ اس نے فنی میں سر ہلا دیا تو شمر حیات خان نے بے اختیار جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"شمر یہ بیٹا۔۔۔۔۔ ایک دور رشتے ہیں تمہاری مای کی نظر میں جو تمہارے خواہش مند ہیں ایک تو ان کا بھانجا ہی ہے لیکن فائل تو بابا جان اور تم ہی کرو گی نا۔ میں کہتا ہوں عفت سے کہ وہ کسی روز پہلے اسے کھانے پر بلا لے تم بھی دیکھ لیں۔" فرط جذبات سے ان کی آواز کانپ



ستمبر 2007ء



خلال نے دھمکی دے دی تھی بھائی جان کو اگر انہوں نے کچھ کیا تو وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ ایلیا کی جائیداد پر قبضہ جمانے کے لیے اس کی جان لینا چاہتے تھے۔ پتا نہیں ایلیا نے کیا لکھا تھا خط میں کہ وہ تو بالکل ہی بدل گئے تھے بہت ہی شرمندہ ہیں۔

”چھوٹے بھیا اور بھابی تو بہت روتے ہوں گے بہت۔۔۔۔۔ وہ کتنی پیاری تھیں۔۔۔۔۔ ہیں نا۔“ اس نے شاید اس کی باقی بات نہیں سنی تھی۔

”اس کی اتنی ہی زندگی تھی ایلیا۔“ عفت مامی سے بات کرتے کرتے آرب اس کی طرف متوجہ ہو گیا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس کی آنکھوں کے سامنے چھوٹے بھیا کی ہنسی کی شکل آرہی تھی۔

”اور ابی جان، چھوٹی امی، انوشہ، بدر سب کیسے ہیں؟“ اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہیں البتہ بھائی جان کی ذہنی روکھی کبھی بیک جاتی ہے اور وہ خوب گالیاں دیتے ہیں سب کو۔“

”جی“ ایلیا ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور شمر حیات خان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اندر آئے۔

”سب ٹھیک ہے نا۔۔۔۔۔؟“ عفت اور ایلیا نے ایک ساتھ پوچھا۔

”ہاں۔“

”یہ آرب مصطفیٰ ہیں۔“ عفت نے بتایا۔ ”ایلیا کی اسٹیپ مار کے بھائی۔“

شمر کی پیشانی پر ناگوار سی شکلیں نمودار ہوئیں تاہم آگے بڑھ کر آرب سے مصافحہ کیا۔

”اچھا یہ ہیں آرب مصطفیٰ؟“ ملک حیات اسے دیکھ رہے تھے۔

”ٹھیک یو بیٹا آفتاب نے بتایا تھا کہ تم نے ایلیا بیٹی کی مدد کی۔ یہاں کیسے آتا ہوا؟“

”میں چند دن پہلے ہی باہر سے آیا ہوں یہاں ایک سمیٹی میں انٹرویو دینے آیا تھا سوچا ایلیا کی خیریت معلوم کرنا جاؤں۔“ اس نے ایک نظر ایلیا پر ڈالی تھی جو

سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ملک حیات خان۔۔۔۔۔ اس کی تعلیم اور حجاب کی تفصیل پوچھنے لگے۔ اچانک شمر حیات خان کھڑے ہو گئے۔

”سوری میں ذرا بابا جان کو ان کے کمرے میں چھوڑ آؤں۔ زیادہ دیر بیٹھنے سے ان کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔“

”ارے نہیں بیٹا میں تو اس وقت بالکل ٹھیک ہوں۔“

”پھر بھی بابا جان احتیاط اچھی چیز ہے۔“

”اوکے بیٹا ایک بار پھر شکریہ کہ آپ نے ایلیا بیٹی کی مدد کی اس کا خیال رکھا ہاں۔“

”آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں سر۔“ آرب نے جواب دیا اور شمر حیات خان انہیں سہارا دیتے ہوئے ان کے بیدروم میں لے گئے اور فوراً ہی واپس آ گئے۔

”ایلیا آپ جائیں بابا جان آپ کو بلا رہے ہیں۔“

”جی ا“ ایلیا ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور شمر حیات خان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے آرب مصطفیٰ کی نظروں کو اس کے تعاقب میں جاتے اور پلٹتے دیکھا اور بے حد بے چینی سی محسوس کرتے ہوئے پہلو بدل کر آرب مصطفیٰ کا بخور جائزہ لیا۔

وہ ایک پرکشش شخصیت کا پلاٹک تھا اور ایلیا کی طرف اٹھتی اس کی نظروں کی وارمی اور ان میں پھیلے رنگ انہیں از حد مضطرب اور بے چین کر رہے تھے۔

”کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ کیا یہ شخص آرب مصطفیٰ ایلیا اسفند یار کو چاہتا ہے۔۔۔۔۔ اور کیا ایلیا بھی۔۔۔۔۔ لیکن وہ تو سب اختیار سوچ چکی۔ نہیں۔۔۔۔۔

ان کا دل چاہے مطمئن سا ہوا۔ ”اور یہ لڑکا تین سال سے کہاں تھا۔ اگر ایسا کچھ ہوتا تو۔۔۔۔۔ یہ جذبہ جو اس لڑکے کی آنکھوں سے بھانک رہا ہے یہ یک طرفہ ہے۔ لیکن یہ یک طرفہ جذبہ۔۔۔۔۔ مائی فٹ۔۔۔۔۔ انہوں نے خود ہی دل میں اندنے والے خیالات کو پرے دھکیلا۔ ”میں نا نہیں کیوں انی سیدی باتیں سوچ رہا ہوں۔ مجھے اس

کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا چاہیے بہر حال یہ ہمارا محسن ہے۔“ وہ آرب مصطفیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسے بے خلوص سے کھانے کے لیے روکا لیکن ایلیا کے اہلک آنے کا انتظار کرتے کرتے وہ تھک کر کھڑا ہو گیا۔

”اوکے سر میں چلتا ہوں۔“ مایوسی اور حسرت اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لہجے میں بھی تھی شمر حیات خان پھر ایک بار پوچھ گئے۔ اسے رخصت کر کے جب وہ لیا جان کے کمرے میں آئے تو ایلیا ان کا سردباری

”مہمان چلا گیا کیا؟“ ملک حیات خان نے پوچھا۔ ایک لمحے کے لیے ایلیا کے ہاتھ ان کی پیشانی پر ساکت ہوئے۔

”ہاں۔۔۔۔۔“

”کھانے کے لیے روکنا تھا۔۔۔۔۔“

”روکنا تھا۔۔۔۔۔“ وہ بے پروائی سے کہتے ہوئے کمری پر بیٹھ گئے۔ لیکن وہ چلا گیا شاید کوئی کام تھا۔“

ایلیا کے ہاتھ ہی ساکت نہیں ہوئے تھے اس کا دل بھی ساکت ہو گیا ہو۔ شمر حیات خان نے بہت گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے ملک حیات کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”تو بابا جان پھر آپ نے کیا سوچا؟“

”دکس کے متعلق؟“ انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”فریڈ کے متعلق۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ ہاں“ وہ ایک ہنگامہ بھر کر رہ گئے تو شمر نے ایلیا کی طرف دیکھا۔

”بیٹا جاؤ کھانا گلو۔ کھانے کے بعد مجھے ایک کام سے جانا ہے۔“

”جی۔۔۔۔۔ ایلیا فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”کیا؟“ شمر نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ ”وہ لڑکا مسلسل پاکستان کی برائیاں کر رہا تھا۔۔۔۔۔ پاکستان میں یہ ہے وہ ہے۔ گندگی ہے، کرپشن ہے۔ ارے بھئی گندگی ہے، کرپشن ہے تو کس نے دعوت دی تھی کہ تم یہاں آؤ وہیں رہو جہاں پہلے رہتے ہو۔“

”دراصل بابا جان جو شخص اتنا طویل عرصہ غیر ممالک میں رہا ہو تو اس کے لیے یہاں ایڈجسٹ ہونا مشکل ہے۔“ شمر خان نے اس کا دفاع کیا۔

”ہاں یہ بات بھی ہے۔“ ملک حیات خان کے لہجے میں ناراضی تھی۔ ”وہ کہہ رہا تھا کہ اسے یہاں نہیں رہنا شادی کرنے کے بعد واپس چلا جائے گا تو ہمیں نہیں کرنی اپنی ایلیا کی شادی ایسے لڑکے سے۔“

”لیکن بابا جان۔“ شمر حیات خان نے کچھ کہا

چاہا تو ملک حیات نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”بلاشبہ لڑکے کی قابلیت و وجاہت اور خاندان میں کوئی شبہ نہیں لیکن تم نے سنا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ صرف اس کی ماں کی خواہش تھی کہ وہ پاکستان میں شادی کرے ورنہ۔۔۔۔۔ بیٹا کیا خبر وہاں اس نے بھی ایذا کی طرح کسی سے وعدہ کر رکھا ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ ایلیا ایک بار پھر ایسے ہی اذیت ناک تجربے سے گزرے جس سے وہ پہلے گزر چکی ہے۔“

”لیکن بابا جان اس کے متعلق تحقیق کروائی جا سکتی ہے۔“ شمر حیات خان نے کہا۔

”نہیں یار میرا دل نہیں مانتا ایلیا کو اتنے دور بھیجے کو۔ بس تم سہولت سے منع کر دو عفت کو بلکہ میں خود سمجھا دوں گا اور کوئی پرو پوزل ہو تو اس پر غور کریں گے۔“

شمر حیات خان خاموش ہو گئے۔

”ٹھیک ہے بابا جان۔“ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔

”دیکھتے ہیں کہیں اور عفت نے ذکر تو کیا تھا ایک دو لڑکوں کا۔“ بہر حال جو کچھ ملک حیات نے کہا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ فریڈ وہاں کیا کچھ کرنا رہا ہے اور۔۔۔۔۔ ایلیا کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے بہت چھان

دیکھا۔

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات نے سر ہلایا۔

”ہاں، ہاں یقیناً لیکن یار شمر مجھے اس لڑکے کی اہمیت پتہ نہیں آتی۔“

”فریڈ اچھا لڑکا ہے بابا جان۔“ ایلیا کے جاتے ہی شمر خان نے پھر کہا تو ملک حیات



میں کرنی چاہیے اور بہت سوچ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔ تجھی عنیت نے آکر پوچھا۔

”بابا جان آپ کھانا اپنے کمرے میں کھائیں گے یا ڈائننگ میں چلیں گے؟“

”میں ڈائننگ میں ہی چلتا ہوں۔“ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے تو خمر نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا اور سہارا دیتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

☆☆☆

شریفین کرو آرب بہت اچھا لڑکا ہے۔“ ملک آفتاب کہہ رہے تھے اور خمر حیات خان خاموشی سے انہیں سن رہے تھے۔

”مجھے تمہاری بات سے اختلاف نہیں ہے آفتاب یقیناً وہ ساری خوبیاں جو تم نے بتائی ہیں وہ ہوں گی اس لڑکے آرب مصطفیٰ میں اس کے باوجود مجھے ایلیا کے ساتھ اس کا رشتہ منظور نہیں ہے۔“

”کیوں صرف اس لیے کہ وہ اسفند یار کا سالہا ہے۔ خمر وہ بہت مختلف لڑکا ہے۔ وہ یہاں کراچی میں گھر لے چکا ہے اسے بڑی اچھی جاب مل گئی ہے۔ اس کا اسفند یار۔“

”ہلیز آفتاب تم مجھے ایسی بات پر کیوں مجبور کر رہے ہو جس سے مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ میں اس شخص اسفند یار کا نام بھی سننا نہیں چاہتا چنانچہ جانکے میں اس کے ہی کسی رشتے دار کو ایلیا کا رشتہ دوں۔“

”میں تمہارے احساسات و جذبات کو سمجھتا ہوں خمر۔ ایلیا کا تمہارے ساتھ خونی رشتہ ہے لیکن مجھے بھی وہ کم عزیز نہیں۔ میں صرف یہ جان کر یہاں آیا ہوں کہ ایلیا آرب کے ساتھ خوش رہے گی۔ وہ اسے بہت خوش رکھے گا خمر میں آرب کی بارات لے کر آؤں گا۔ یار تھوڑی جگہ پیدا کرو اپنے اندر۔ آرب ایلیا کو پسند کرتا ہے وہ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے جو تم کہو گے۔“ خمر حیات خان کے چہرے کے نقوش سے یکایک خنجر جھلکے گی۔

”کیا ایلیا بھی اسے پسند کرتی ہے۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؟“

”میرے خیال میں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔“ ملک آفتاب نے آہستگی سے کہا۔ ”آرب نے ایلیا کی مدد کی اس حوالے سے وہ اسے ناپسند تو نہیں کرتی ہوگی لیکن جو کچھ تم سوچ رہے ہو ایسا نہیں ہے۔“ خمر حیات خان نے ایک گہری سانس لی ان کے چہرے کے تنے ہوئے نقوش ڈھیلے ہو گئے۔

”مجھے انہیں ہے آفتاب کہ میں نے تمہاری بات روکی۔ کاش تم کسی اور کے لیے آتے کاش ایلیا زانیہ کرتا تو میں تمہیں اپنا سہمی بنا کر بہت خوش ہوتا تمہارے گھر سے بہتر گھر اور کون سا ہوتا ایلیا کے لیے لیکن آرب مصطفیٰ نہیں۔ آفتاب ہرگز نہیں۔“ اور آفتاب ملک کی آمد کا سن کر ان سے ملنے آئی ہوگی ایلیا وہیں ڈرائنگ روم کے دوازے کے باہر ہی ٹھک کر رک گئی۔

”تم ایک دفعہ بابا جان سے تو بات کرنا خمر اور ایک بار سوچنا ضرور۔“ ملک آفتاب کہہ رہے تھے۔

”تو آرب نے انکل کو بھیج ہی دیا حالانکہ کتنا منع کیا تھا کتنا سمجھایا تھا اسے کہ ایسا مت کرنا۔ یہاں سے ہی پلٹ جاؤ۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں خمر ماموں اور بابا جان کے فیصلے کی مخالفت کروں گی۔“

”مجھے ایک کوشش تو کرنے دو ایلیا۔“ اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ ”اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے کہ میں تمہارا باقاعدہ پروپوزل بھجواؤں۔ سیانے کہتے ہیں جہاں بیری ہو وہاں پھر تو آتے ہی ہیں تم پر کوئی آنکھ نہیں آئے گی ایلیا میں وعدہ کرتا ہوں میں ایسا کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالوں گا کہ کوئی تم سے بدگمان ہو اور اگر ایسا ہوا تو میں خود اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ کر تمہارے سامنے رکھ دوں گا۔ ایلیا ہلیز مجھے اجازت دو کہ میں انکل آفتاب کو تمہارے بابا جان کے پاس بھیجوں۔“ تب وہ چپ ہو گئی۔

”اوکے“ میں بخ ہی سا ہواں جا رہا ہوں۔“ آرب نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا لیکن وہ پوری رات بے چین رہی تھی۔ یہ کب اور کس موڑ پر آ کر آرب نے اپنی شدت کو اظہار کیا تھا کہ وہ جو اپنا سے

کوئی آس کوئی امید نہیں دلا سکتی تھی لیکن آرب تھا کہ ماموں نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے مل کر جانے کے بعد کتنی ہی بار اس نے اس کے سٹوڈنٹ پر رات کو فون کیا تھا۔

”جانتی ہو، کراچی میں رہنے اور جاب کرنے کا فیصلہ میں نے تمہاری وجہ سے کیا ہے۔ بیٹے تین سالوں کے ہر لمحے میں میرے دل نے تمہاری محبتوں کا اعتراف کیا ہے۔ ایلیا تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں نے خود کو کتنا روکا کہ پلٹ کر نہ دیکھوں لیکن تمہاری کشش مجھے زیادہ دیر نہیں روک سکی۔“

”ہاں میں بابا جان کو بتا دوں گا اس پروپوزل کے متعلق لیکن مجھے یقین ہے بابا جان بھی انکار ہی کریں گے۔“ خمر حیات خان کے لہجے کے یقین سے ایک لمحے کے لیے اس کا دل جیسے نیچے کہیں پاتاں میں گر گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے شعوری کوشش سے خود کو سنبھالا۔

”یہ تو طے ہے کہ بابا جان اور خمر ماموں آرب مصطفیٰ کا پروپوزل قبول نہیں کریں گے اور میں تو یہ پہلے ہی جانتی تھی پھر۔“ اس نے اپنے ذہن میں دل کو سنبھالا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ ملک آفتاب اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

”کیسی ہو بیٹا؟“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور محبت پاش نظروں سے انہیں دیکھا۔

”میں ٹھیک ہوں اور آپ چاہیے کہ کیوں نہیں لائے میں اتنی اداس ہو رہی تھی ان کے لیے۔“

”وہ بھی تمہارے لیے بہت اداس ہے لیکن اسے جوڑوں کے درد شروع ہو گئے ہیں۔ ان دنوں طبیعت خراب تھی۔“ وہ ہنسنے لگا۔

”اب ایسے بھی بوڑھے نہیں ہوئے آپ اور چاہیے۔ خمر ماموں کو دیکھیں کتنے بیک لگتے ہیں۔“

”تو یہ تو بیک ہے نا۔“ ملک آفتاب نے قہقہہ لگایا۔ ”ہم کلاس فیلو ضرور تھے لیکن ہم عمر نہیں تھے۔ نکلے گاڑے ہوئے چودھری تھے ذرا بڑی عمر میں چڑھائی شروع کی تھی۔“

”آپ رہیں گے نا یہاں؟“ اس نے پوچھا۔

”صرف ایک دن۔“

”صرف ایک دن۔“

”اٹنے دنوں بعد آئے ہیں اور صرف ایک دن۔“

”بس بیٹا تمہاری چاہی بھی تو اکیلی ہیں نا وہاں۔“ ایلیا خاموش رہ گئی تھی۔

کاش ایلیا نے جلد بازی نہ کی ہوتی تو یہ ہیرا لڑکی ان کے گھر کا چراغ ہوتی۔ کبھی ایلیا کو سامنے دیکھ کر دکھ یوں ہی دل میں نیچے گاڑ لیتا تھا۔ ایلیا کے ساتھ رشتہ ٹوٹ گیا تھا لیکن وہ اب بھی انہیں اتنی ہی عزیز تھی۔

دونوں میاں بیوی کا زیادہ وقت اسی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے گزرتا تھا اور جب سے نیا عادل نے بتایا تھا کہ ایلیا اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑے رہنے لگے ہیں تب سے تو احساس زبیاں اور بھی بڑھ گیا تھا۔

”آپ کہا سوچنے لگے انکل۔“

”ہاں کچھ نہیں۔“ وہ چوہے۔

”تمہارے بابا جان جاگ گئے ہیں تو انہیں سلام کر لوں۔“

”جی وہ تو کب کے جاگے ہوئے ہیں۔“ ایلیا نے بتایا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

”چلو خمر بابا جان کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔“

خمر حیات خان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ان کے ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔ ایلیا وہیں بیٹھی رہی۔

”کیا ضروری تھا کہ میرا دل آرب مصطفیٰ کی چاہ کرتا جس کا ساتھ مقدمہ میں نہیں۔“ اس نے دگرنگی سے سوچا۔

”ایلیا دیکھو انکل میرا پروپوزل لے کر آئیں گے اور اگر تمہاری رائے پوچھی گئی تو تم میرے حق میں رائے دینا چاہیے۔“

”نہیں ہرگز نہیں آرب مصطفیٰ آپ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں۔ میں نے ہر فیصلے کا اختیار خمر ماموں اور بابا جان کو دے دیا ہے۔“

”ٹھیک ہے لیکن تم اپنی رائے تو دے سکتی ہو۔“

”آرب ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ بھول جائیں



مجھے اور اپنی زندگی.....

”تم بھول سکتی ہو تو بھول جانا ایلیا..... میں نہیں بھول سکتا۔“ آرب نے جسی لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

”اب شرماسوں نے صاف انکار کر دیا ہے اور بابا جان..... یقیناً بابا جان بھی۔“ اس نے نیچے ہونٹوں کو دانتوں سے دبایا۔۔۔ درد بے پناہ درد اس کے دل کو جکڑ لیا۔

☆☆☆

”تو تمہارا کیا خیال ہے اس پر پوزل کے متعلق.....؟“ ملک حیات خان نے شمر کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے آفتاب کو منع کر دیا ہے۔“

”ہوں۔“ ملک حیات نے پرسوج نظروں سے دیکھا۔

”تم نے ایلیا سے پوچھا.....؟“ شمر نے ان کے ہاتھ سے گلاس واپس لے کر میز پر رکھتے ہوئے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

”ایلیا نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم لوگ جو بھی فیصلہ کریں گے اسے منظور ہوگا۔“

”ہاں تب آرب نہیں آیا تھا۔“ ملک حیات خان نے نیچے سے ٹیک لگائی۔ شمر خان کچھ دیر پہلے ہی ملک آفتاب کو گیسٹ روم میں چھوڑ کر ملک حیات کو سونے سے پہلے وہاں دینے آئے تھے۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ شمر نے کسی قدر تیزی سے پوچھا۔

”جیسا کہ خبر وہ دونوں..... آخر آرب نے کسی آس پر ہی آفتاب کو بھجوایا ہے۔ کچھ تو ہو گا نا..... میں نہیں چاہتا تاریخ اپنے آپ کو دہرائے۔“ شمر حیات خان ایک لمحے کو بالکل چپ کر گئے۔ ”اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ایلیا ناخوش رہے۔“ ملک حیات خان نے پھر کہا تو شمر نے باہر سے گزرتے اسلم کو آواز دے کر ایلیا کو بلانے کے لیے کہا۔ وہ گھبراہٹ ہوئی سی آئی۔

”کیا ہوا بابا جان تو ٹھیک جیسا نا؟“

”ہاں..... بنیو۔“ شمر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ پونجی گھبراہٹ گھبراہٹ سی بیٹھ گئی۔

”ایلیا بچے۔“ ملک حیات نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہارے انکل آفتاب تمہارے لیے آرب مصطفیٰ کا پردہ پوزل لائے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔“

”بابا جان جو آپ مناسب سمجھیں۔“ اس نے سر جھکا لیا۔ ”میں نے آپ سے کہا تو تھا آپ جو بھی فیصلہ کریں آپ کو اختیار ہے۔“ شمر کا چہرہ چمکنے لگا لیکن ملک حیات سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”ہمارا خیال نہیں ہے آرب کے لیے تم سمجھ سکتی ہو کہ کیوں..... یوں اچھا لڑکا ہے وہ۔“

”جی بابا جان۔“ اس نے اب بھی سر نہیں اٹھایا تھا لیکن اسے اپنا دل ڈونگا ہوا محسوس ہو رہا تھا تاہم جب وہ بولی تو اس کا لہجہ بہت صاف اور پراعتماد تھا۔

”آپ بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں بابا جان۔“

”جیسی رہو۔“ بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا اور شمر کو لگا تھا جیسے برسوں سے جلتے ہوئے دل پر کسی نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے ہوں۔ فرط جذبات سے ان کی آنکھیں نم ہو گئیں اور انہوں نے مسکرا کر ملک حیات خان کی طرف دیکھا جن کی مسکرائی آنکھوں میں نمی پھیل رہی تھی۔

”جاؤ جیٹا آرام کرو جا کر“ انکے غلی میں چاہ رہا تھا کہ آفتاب کو کوئی حتمی جواب دینے سے پہلے تم سے بھی بات کر لوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی غلط فیصلہ تمہاری آئندہ زندگی میں دکھ بھول دے۔“ وہ بتا کچھ کہے کھڑی ہو گئی۔ وہ یہاں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر اور بیٹھی تو ضبط کھودے گی اور وہ اپنے کسی بھی عمل یا حرکت سے بابا جان اور شرماسوں..... کو یہ باور نہیں کرانا چاہتی تھی کہ اسے ان کا فیصلہ منظور نہیں ہے لیکن اپنے کمرے میں آتے ہی آنسو بے اختیار ہی آنکھوں سے نکل آئے تھے۔

”تو آرب مصطفیٰ فیصلہ ہو گیا کہ ہمیں ہمیشہ الگ الگ راتوں پر چلنا ہے اور یہ تو شاید ازل سے ملے تھا پھر میرے دل میں یہ خیال کیوں آیا.....“

☆☆☆

ایک اور بے چین رات اس نے غیب کرب میں گزار دی۔ صبح بستر سے اٹھنا محال ہو رہا تھا پورا بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا۔

”ارے کیا ہوا؟“ عفت مائی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ ”تمہیں تو بخار لگ رہا ہے۔“

”ہاں شاید۔“ اس نے آنکھ کی کوشش کی۔

”نہ..... نہ کیلی رہو۔“ آنکھ کی ضرورت نہیں۔

”میں یہاں ہی تمہارا ناشتا بھجوا دوں گی۔“

”نہیں میرا جی نہیں چاہ رہا کچھ بھی کھانے کو۔ ابھی پینا ڈول لے لیتی ہوں تو.....“

”نہ خالی پیٹ کوئی دوامت لینا۔“ ملک سانا شتا کرلو بھر لے لینا ایک گولی۔“ ایلیا خاموش ہو گئی جانتی تھی اس کی ایک نہیں چلے گی۔ ان محبتوں کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی وہ عفت مائی کے جانے کے بعد اس نے آنکھیں موند لیں۔ کچھ دیر بعد ہی شمر حیات اور ملک حیات خان چلے آئے ان کے ساتھ ملک آفتاب بھی تھے۔

”ارے کیا ہو گیا میری بیٹی کو رات تو بھلی چنگی تھی۔“ ملک آفتاب نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”کچھ نہیں انکل۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”یوں ہی سر درد تھا اور شاید ملک سانا پھر پھر بس مائی خود بھی پریشان ہوئیں اور آپ سب کو بھی پریشان کر ڈالا۔“ ملک حیات خان نے اس کے سستے چہرے پر ایک پرسوج سی نظر اڑائی اور سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

”اگر زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔“

”نہیں ماموں بس پینا ڈول لوں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔“

”میں تو سوچ رہا تھا تم فارغ ہو پڑھائی سے تو تمہارے بابا جان سے اجازت لے کر تمہیں کچھ دنوں کے لیے ساہیوال لے چتا ہوں کچھ دن ہمارے دیران گھر میں بھی رونق لگ جائے گی۔“ ملک آفتاب بھی ان

کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

”یہ بھی کوئی زندگی ہے میاں۔“ ملک حیات نے تبصرہ کیا۔ ”بچوں کو پال پوس کر بڑا کرو اور وہ بڑھاپے میں ہمیں تنہا چھوڑ جائیں۔“

”بس جو نصیب میں لکھا ہو بابا جان۔“ ایلیا نے ملک آفتاب کے لہجے میں جیسے دکھ کو محسوس کیا۔ ”بچے کو پاکستان میں رہنا پسند نہیں اور ہمیں اپنی مٹی چھوڑنا منظور نہیں۔“ انہوں نے تہقہہ لگایا۔ ”سو وہاں خوش ہم یہاں مطمئن۔“

”انکل میرا دل بھی چاچی سے ملنے کو بہت چاہ رہا ہے۔“ اس نے بات کر کے ملک حیات کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

”ہاں ٹھیک ہے آفتاب ایک دن رک جائے تو چلی جاؤ ہفت بھر کے لیے۔“ ملک حیات نے جیسے اس کے دل میں چچی خواہش پڑھ لی تھی۔

”لیکن بار جلدی واپس چھوڑ جانا ہم بھی زیادہ دن اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔“ جہاں ملک آفتاب خوش ہوئے تھے وہاں ایلیا کے چہرے پر بھی مسرت کے رنگ بکھر گئے تھے۔

”ایسی بات ہے تو رک جاتا ہوں میں۔“ شمر اس دوران خاموشی سے ایلیا کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ ”اس کی آنکھیں سوچی ہوئی اور سرخ ہیں لیکن کیوں..... کیا آرب.....“ جی عفت اسلم کے ساتھ ناشتا لے کر آئیں۔

”اسلم یہ ناشتا رکھو یہاں اور ایلیا جیٹا چلو منہ ہاتھ دھو لو اور ناشتا کر کے میڈیسن لے لو۔“

”مائی آپ..... ایلیا شرمندہ ہو گئی۔“ میں نے کہا تھا میں ادھر ہی آ جاتی ہوں۔“

”اچھا خاصا بخار لگ رہا ہے تمہیں۔“ ان کے لہجے میں گھر مندی تھی۔ ”میں تو لگتی ہوں شمر یہ ناشتا کر لے تو ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔“ وہ شمر سے مخاطب ہوئیں تو ایلیا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پتا نہیں کس نیکی کا صلہ تھا یہ کہ اتنی محبتیں اس کا نصیب بن رہی تھیں۔ وہ اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتی ہوئی اٹھ کر واش روم کی طرف



”ایلیا“ دیکھو یہ زندگی تمہاری ہے۔ یہ بہت مختصر ہے۔ اسے تجربوں کی نذر مت کرو۔“

”پلیز آرب مجھے ورغلائیں مت۔“ اس نے ملتی نظروں سے آرب کی طرف دیکھا۔ ”میں نے جو فیصلہ کیا ہے مجھے اس پر قائم رہنا ہے۔“

”تم خوش نہیں رہ سکو گی۔ تم کہیں بھی کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکو گی۔ کیسے کرو گی منافقت.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”زندگی بار بار نہیں ملتی ایلا“ تم کیوں اسے ایک غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہو۔“

”لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی آرب کہ میرا فیصلہ غلط ہے۔“

”لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ تمہارا فیصلہ غلط ہے۔ پلیز ایک بار صرف ایک بار تم بابا جان سے کہہ کر تو دیکھو کہ تم.....“

”نہیں پلیز..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ ایلیا کی آنکھیں نم ہو گئیں ”آپ پلیز مجھے اس طرح بار بار فون نہ کیا کریں اور نہ آئندہ کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش کریں۔ آپ مجھ سے بات کرتے ہیں میرے سامنے ہوتے ہیں تو میرے فیصلے کی فسیلیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔“ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”یہ محبت ہے احمق لڑکی لیکن تم اسے سمجھ نہیں رہی ہو۔“ آرب جھنجھلایا۔ ”اور اس سے انکار کر رہی ہو۔“

”تمہیں اپنے اوپر اختیار ہو گا تم خود پر ظلم کر سکتی ہو لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا..... ایلا میں بہت مجبور ہو کر یہاں آیا ہوں۔ میری خواہشوں کی لگام بار بار میرے ہاتھوں سے پھسل جاتی ہے۔ تمہیں پانے کی خواہش..... تمہاری رفاقت کی تمنا..... میں بہت بے بس ہو گیا ہوں ایلا.....“

حالانکہ جب تم پہلی نظر کو محبوب لگی تھیں تب بھی تم میری نہیں تھیں اب بھی تم میری نہیں ہو مگر میں اس دل کا کیا کروں جو ہمک ہمک کر تمہاری خواہش کرتا ہے۔“ ایلیا سر جھکائے بیٹھی تھی۔

اسے ساہیوال آئے سات دن ہو گئے تھے اور ان سات دنوں میں کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا تھا جب آرب نے اسے فون نہ کیا ہو اور آج وہ اس کے سامنے بیٹھا اپنی شدتوں کا اظہار کر رہا تھا لیکن ایلیا کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا وہ اسے بتا چکی تھی کہ ثمر ماموں اور بابا جان کو اس کا پروپوزل قبول نہیں ہے۔ گوانکل آفتاب نے ابھی اسے کوئی حتمی بات نہیں کہی تھی پھر بھی وہ بے چین ہو کر چلا آیا تھا۔

”مجھے اس روز محسوس ہوا تھا جسے ثمر ماموں کو میرا آنا پسند نہیں آیا اس لیے میں یہاں چلا آیا سوچا تم سے یہاں ملاقات ہو جائے گی۔“

چاچی کمرے میں تھیں اور ملک آفتاب اپنی زمینوں کے مقدمے کے سلسلے میں صبح ہی عدالت چلے گئے تھے۔ وہ برآمدے میں بیٹھی بتولاں کو چاول صاف کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی جب اچانک ہی وہ آگیا تھا اور اب اس کے سامنے بیٹھا اس کی برداشت کو آزار پہا تھا۔ بتولاں چائے بنانے چلی گئی تھی۔

”تمہیں یقین ہے کہ تم میرے بغیر خوش رہ لو گی۔“ اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

”خوش رہنا ضروری تو نہیں۔ زندگی تو گزر ہی جائے گی۔“

”جی چاہتا ہے تمہارا گھلا گھونٹ دوں اور خود بھی مر جاؤں۔“ وہ جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”تم کچھ مت کرنا میں خود ہی کر لوں گا کچھ۔“

”کیا..... کیا کریں گے آپ؟“ اس کا رنگ یک لخت زرد پڑ گیا۔

”بے فکر رہو، تم پر آئیج نہیں آئے گی۔“ لیکن وہ وحشت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”ایلا پلیز اس طرح مت کرو۔ کیا سمجھتی ہو تم کہ میں کچھ ایسا کر سکتا ہوں جس سے تمہاری عزت پر حملہ آئے لیکن ڈوبتا ہوا آدمی نہپٹنے کے لیے آخری کوشش کے طور پر ہاتھ پاؤں تو مارتا ہے اور مجھے بھی آخری کوشش کرنی ہے۔“

”لیکن کیا کریں گے آپ.....؟“ اس نے



بٹانی سے پوچھا۔

”پتا نہیں ابھی تک تو مجھے خود بھی علم نہیں کہ میں کیا  
روں گا اوکے میں چلتا ہوں۔“  
”انکل سے نہیں ملیں گے اور وہ بتولاں چائے لا  
دی ہے۔“

”وہ چائے تم پی لینا۔“ وہ مسکرایا۔ ”اور انکل سے  
ملنے شام کو آؤں گا۔ وہ کب تک واپس آئیں گے۔ یہ  
عدالتوں کے چکر بڑے لمبے ہوتے ہیں اور مجھے ڈر ہے  
کہ میں تمہارے سامنے رہا تو میرا ضبط جواب دے  
ہائے گا۔“ ایلیا یونہی منہ اٹھائے اسے دیکھتی رہی اور  
آرب لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ سے باہر نکل گیا۔  
بتولاں چائے کی ٹرالی پر ہاتھ رکھے اسے حیرت سے  
ہانا دیکھتی رہی۔

”ہائے ہائے یہ آرب صاحب ہوا کے جھونکے کی  
طرح آئے اور چلے بھی گئے لو میں نے خواخواہ میں  
ہائے بنائی۔“ ایلیا نے کچھ تبصرہ نہیں کیا۔

محبت بال کھولے بین کر رہی تھی۔ ایاز کے ساتھ  
چار سال گزارنے کے باوجود وہ اس سے محبت نہیں کر سکی  
اسی اسے دیکھتے ہی دل خوف سے سہمنے لگتا تھا۔ وہ گھر  
میں ہوتا تو وہ اس کی نظروں سے دور رہنے کے لیے ادھر  
ادھر کونوں کھدروں میں چھپتی رہتی تھی اور سامنا ہوتا تو  
اس کے طنزیہ جملے دل کو چھیدنے لگتے۔ اس نے تو شاید  
بھی دھیان سے اسے دیکھا بھی نہیں تھا اور یہ شخص کیسا  
ہادوگر تھا۔ اسے چند ملاقاتوں میں اسیر کر گیا تھا لیکن یہ  
اس کا نصیب نہ تھا۔ پلکوں پر اٹکے آنسو انگلی کی پوروں  
سے پونچھ کر وہ بتولاں کو وہاں حیران چھوڑ کر چاچی کے  
گھر کی طرف چل دی۔

☆☆☆

ساہیوال میں دو ہفتے گزار کر وہ کراچی واپس  
آئی تھی۔ آرب نے پھر اسے فون نہیں کیا تھا۔ اس نے  
خود ہی اسے منع کر دیا تھا فون کرنے سے لیکن پھر بھی  
اسے انتظار سار ہتا تھا۔

”تو بس یہ تھی اس کی محبت اور اس کا  
”ہام۔“ کچن میں شامی کباب بناتے ہوئے اس نے

سوچا ”اور شاید وہ حوصلہ ہار بیٹھا ہے۔“

”چندا“ شامی کباب بنا کر تم باتھ لے کر چینیج کر لینا  
باقی میں دیکھ لوں گی۔“ عفت نے کچن کے دروازے پر  
کھڑے کھڑے عجلت سے کہا۔

”مامی.....“ وہ مڑی تو عفت جاتے جاتے رک  
گئیں۔

”مامی پلیز ان لوگوں کو پہلے سے ہی بتا دیجیے گا  
میری شادی کا۔“ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔  
”لیکن.....“

”جھوٹ کا کوئی فائدہ نہیں مامی حقیقت بہر حال  
کھل جاتی ہے۔“ عفت کچھ کہے بنا مڑ گئیں۔

جب سے وہ ساہیوال سے آئی تھی تین فیملیز اسے  
دیکھ چکی تھیں۔ ایک کو تو بابا جان نے رتبیکٹ کر دیا۔  
دوسرے یہ جان کر پیچھے ہٹ گئے کہ اس کی پہلے بھی ایک  
شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے کنوارے بیٹے کی شادی کسی  
طلاق یافتہ سے کرنے کو تیار نہ تھے اور تیسری فیملی کے  
لوگ عجیب تھے وہ وٹے سٹے کی شادی کرنا چاہتے تھے یہ  
جان کر انہیں مایوسی ہوئی کہ اس کا کوئی بھائی نہیں ہے اور  
اب نہ جانے کون اور کیسے لوگ آ رہے تھے۔ عفت بہت  
پُر امید تھیں لیکن جب دو خواتین ایک مرد کے ساتھ  
آئیں تو ان کی گفتگو اور انداز نے ملک حیات کو بہت  
بیزار کیا۔ جب کہ ایلیا کی طلاق کا سن کر وہ کانوں کو ہاتھ  
لگانے لگیں اور وہیں رشتہ کر دانے والی خاتون سے جھگڑا  
کرنے لگیں کہ ان کے بیٹے کے لیے ایک طلاق یافتہ ہی  
رہ گئی ہے۔

”بھئی عفت بیٹا یہ کس قماش کی خواتین تھیں۔ کم  
از کم انہیں گھر بلوانے سے پہلے ان کا بیک گراؤنڈ تو  
معلوم کر لیا کریں۔“ ملک حیات خان جھنجھلا رہے تھے  
جب کہ ایلیا بے تاثر چہرے کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی  
تھی۔

”بابا جان دراصل یہ جو رشتہ کرانے والی مامی ہے  
نا اس نے لڑکے کی تعریف میں اتنے زمین و آسمان کے  
قلا بے ملائے تھے کہ میں جان ہی نہ سکی۔“ ملک حیات  
خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔



”اور میں نے کہا بھی تھا کہ مائی سے کہہ دینا کہ کسی کو یہاں لانے سے پہلے انہیں ایلیا کی پہلی شادی کے متعلق بتا دو۔“ عفت نے سر جھکا لیا تھا۔

”اس سے تو اچھا تھا کہ ہم تمہارے بھانجے کا پروپوزل ہی قبول کر لیتے۔ کیا اس کی بات طے ہو گئی۔“ نہیں لیکن آپا کو بھی پہلے علم نہیں تھا ایلیا کی شادی کا جب میں نے بتایا تو انہوں نے خود ہی منع کر دیا۔“ عفت شرمندہ سی ہو گئیں۔

”اوہ۔“ انہوں نے جھنجھلا کر دونوں ہاتھوں کی منٹھیاں بھینچیں۔ ”یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے عفت بیٹی۔ ہماری ایلیا میں کیا کمی ہے۔“

”بابا جان آپ پریشان نہ ہوں انشا اللہ اللہ بہتر کرے گا۔“

”ایلیا کیا سوچتی ہو گی۔“ انہوں نے افسردگی سے کہا۔

”وہ بہت سمجھدار اور حقیقت پسند ہے بابا جان۔“ ”وہ کمپیوٹر کلاسز لینے کا کہہ رہی تھی پتا تم اس سے کہنا وہ جو ان کو کر لے پتا نہیں کب۔۔۔۔۔“ وہ جھکے جھکے اٹھ گئے۔

☆☆☆

ایلیا نے بابا جان کی اجازت سے کمپیوٹر اور ساتھ ہی کلنگ کلاسز بھی جوائن کر لی تھیں۔ عفت مائی نے اس کے لیے بہت سے لوگوں سے کہہ رکھا تھا اکثر رشتے کرانے والی مائی بھی آ جاتی تھی لیکن ایلیا نے خود کو بے حد مصروف کر لیا تھا۔

”اور یہ اچھا ہی ہے۔“ وہ اکثر سوچتی۔ ”اگر کوئی پسند کر لیتا تو زندگی کتنی مشکل ہوتی۔ کسی اور کی محبت دل میں بسا کر کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنا کسی اذیت سے کم نہیں۔“ بے حد مصروف ہونے کے باوجود بھی وہ آرب کو بھول نہیں پاتی تھی۔ اس کی باتیں اس کا تصور اکثر اسے بے چین کر دیتا تھا۔ ”پتا نہیں وہ بھی میرے بارے میں سوچتا ہو گا یا نہیں۔“ رات کو اپنے بیڈ پر لیٹے آنکھیں بند کیے اس نے بار بار خود سے پوچھا تھا اور ہر بار ہی آرب اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

”تمہیں تو میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھولا۔ تم تو میرے لبوں میں سا چکی ہو۔“ کتنے ہی آنسو اس کے آنکھوں میں جذب ہو جاتے تھے۔

ناشتا کرتے کھانا کھاتے اور ملک حیات کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے کئی بار شریات خان نے اسے بغور دیکھا اور سوچا تھا۔

”یہ ایلیا کی آنکھوں میں اتنی اداسی کیوں ہے۔ یہ اتنی چپ چاپ کیوں رہنے لگی ہے۔“

ملک حیات خان کی نظریں تو اسے اکثر خود کو کھوجتی محسوس ہوتیں تو وہ گھبرا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتی۔ خواہ مخواہ ہنسی انہی ٹیوٹ میں جانے کب کے پڑھے ہوئے لطفے سناتی۔

ایک بار پھر کچھ خواتین اسے دیکھ گئی تھیں لڑکا بھی پہلے سے شادی شدہ تھا اور بیوی کو طلاق دے چکا تھا۔ انہیں ایلیا پسند آتی تھی لیکن ملک حیات خان نے سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔ عفت نے اسے لڑکے کی تصویر دی تو اس نے سرسری نظر ڈال کر واپس کر دی۔

”کیا کروں گی دیکھ کر جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔“ مائی کو تو اس نے کہہ دیا تھا لیکن دل تھا کہ مجھے جارہا تھا۔

”یہاں سب تم سے کتنی محبت کرتے ہیں ایک بار کہہ کر تو دیکھو اپنی رضا تو بتاؤ۔“ لیکن اس نے جتنی سے دل کی خواہش کو دبا دیا۔

☆☆☆

بالآخر وہ لمحے آ گئے تھے جن سے وہ ڈر رہی تھی۔ ایک منافقت بھری زندگی۔ اندر ہی اندر سارے وجود میں درد پھیلتا جا رہا تھا لیکن وہ ضبط کئے معمول کے کاموں میں مصروف رہی۔ وہ خواہشیں پھر تو نہ آئیں تاہم ایک روز عفت مائی نے اسے انہی ٹیوٹ جانے سے منع کر دیا۔

”بیٹا آج مت جاؤ شام کو مہمان آرہے ہیں۔“ ”کون مہمان؟“ اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔

”شام کو تمہاری مقلنی کی تقریب ہے۔ بس گھر کے

افراد ہیں۔ ساہیوال سے آفتاب ملک اور ان کی بیوی آرہی ہیں۔“ عفت کے لبوں پر بڑی دغریب سی مسکراہٹ تھی۔

”وہ کیوں آرہے ہیں؟“ بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تو عفت نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”آفتاب ملک تمہیں اپنی بیٹی کہتے ہیں صرف کہتے ہی نہیں سمجھتے بھی ہیں۔“

”لیکن مائی یہ کتنی وغیرہ کی کیا ضرورت تھی کون سی پہلی شادی ہے؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی لہجے میں ٹیٹی درا آئی۔ ”افسوس بائیس مت کیا کرو ایلیا۔“ عفت نے اسے گھر کا۔ ”ان کی خوشی ہے۔ انہیں تو شگن کرنا ہے۔“

”کیا۔۔۔ ایک بار شگن کر کے دل نہیں بھرا۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اور ناشتا یونہی ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

شرخان صبح سے ہی کہیں نکل گئے تھے۔ بابا جان نے ناشتا اپنے کمرے میں کیا تھا اور ناشتے کی ٹیبل پر وہ دونوں ہی تھیں۔ کمرے میں آ کر اس نے آنکھیں بری طرح رگڑ ڈالیں۔ بے حد جلن تھی لیکن دور دور تک کہیں کوئی آنسو نہ تھا۔ وہ سارا دن عجیب بے حس سی کمرے میں بیٹھی رہی۔ عفت مائی نے بھی اسے نہیں بلایا۔ دو بجے کے قریب باہر شور ہوا تھا اور لاؤنج سے چاچی کی آواز آئی تھی۔

”میری بیٹی کہاں ہے پہلے اس سے تو مل لوں۔“ لیکن وہ یونہی بے حس سی بیٹھی رہی پھر اس نے چاچی کے قدموں کی چاب سنی انہیں کمرے کا دروازہ کھولتے دیکھا۔ یونہی ٹھنوں پر ٹھوڑی رکھے انہیں اپنے قریب آتے دیکھتی رہی۔

”میری بیٹی۔“ چاچی نے بازو پھیلائے اور ان کے سینے سے لگتے ہی جیسے خشک آنکھوں میں سمندر اتر آئے۔

”ارے۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔۔“ انہوں نے اسے زور سے پیچ کر بار بار چوما اور ان کی اپنی آنکھیں بھی برس پڑیں۔ پتا نہیں کیا کیا یاد آ گیا تھا۔ کوئی اس طرح بھی

اپنا خزانہ کسی کے حوالے کرتا ہے۔ دل نے چنگی بھری تھی لیکن ان کا اس پر حق کہاں رہا تھا۔ محافظ نے خود ہی۔۔۔۔۔

”بس اب اور نہیں رونا۔“ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ”بہت رویا تم نے۔“ وہ مسکرائیں۔

”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں سرخ رو کیا۔“

جب سے ایاز نے۔۔۔۔۔ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر جیسے کسی درد کو چاہا تھا۔ ”تب سے دن رات دعائیں کی تھیں کہ تمہارے نصیب میں ایاز سے اچھا اور بہترین رفیق ہو۔ اللہ نے ہماری دعائیں سن لیں۔ آرب ہر لحاظ سے بہترین ہے۔“

اس نے چونک کر چاچی کو دیکھا۔ یہ انہوں نے کیا نام لیا تھا شاید میں نے غلط سنا ہے۔ اس نے پھر سر جھکا لیا۔ بھی دروازہ کھلا۔ لمبی سی ویلی پتلی لڑکی کون تھی ایک لمحے کو اسے حیرت ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے لبوں سے نکلا۔

”انوش۔۔۔۔۔“ لڑکی مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ ان تین چار سالوں میں وہ کتنی لمبی ہو گئی تھی لیکن وہ یہاں کیسے؟

”میں ماموں کے ساتھ آئی ہوں۔“ اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے اسے بتایا۔ ”اور مجھے تو بھی پتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔“ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

”یہ ماموں بھی چھپے رستم لکھے چپکے چپکے سب طے کر لیا اور کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔“ وہ حیران سی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ ”اس کی مقلنی آرب کے ساتھ ہو رہی تھی یہ سب کب اور کیسے ہوا۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔“

”ہم تو کل رات اچانک ہی آئے تھے۔ مجھے کراچی دیکھنے کا شوق تھا اور بڑے بھیا کسی کام سے آرہے تھے میں بھی ضد کر کے چلی آئی۔ حالانکہ ممانے بہت گالیاں دیں مجھے۔“ وہ زور سے ہنسی۔ ”اور یہاں آ کر پتا چلا کہ۔۔۔۔۔“

”بڑے بھیا۔۔۔۔۔ کیا بڑے بھیا۔۔۔۔۔؟“ لفظ اس



حلق میں پھنس گئے۔

”ہاں بڑے بھیا بھی آئے ہیں اسی لیے تو منگتی کے بجائے نکاح ہو رہا ہے اور یہ بڑے بھیا کی خواہش تھی کہ نکاح ہو جائے کیونکہ وہ...“

تبھی بڑے بھیا، انکل آفتاب سب ہی اس کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ بڑے بھیا شرمندہ سے تھے۔

”ایلا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔“ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

”بڑی امی۔“ ایلا کے لبوں سے نکلا۔

”امی ٹھیک ہیں تمہیں یاد کرتی ہیں اور میں بہت جلد انہیں اور شاہی کو لے کر کینیڈا شفٹ ہو رہا ہوں۔ ایلا میں تمہاری شادی میں شریک نہیں ہو سکوں گا لیکن تمہاری زندگی کی خوشیوں کے لیے بہت دعا کروں گا۔ یہ تمہاری امانت۔“ انہوں نے پانچ لاکھ کا چیک اس کی طرف بڑھایا۔

اس کے لب کپکپائے وہ بڑی محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ محبتیں پانے کے لیے اس نے کتنی دعائیں کی تھیں۔

”میں بہت شرمندہ ہوں تم بڑے دل کی بڑے ظرف کی ہو۔ مجھے معاف کر دینا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

انوشہ مسلسل اس کے کانوں میں کچھ نہ کچھ بولتی رہی تھی لیکن وہ تو کچھ نہیں سن رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب تھیں اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا بابا جان، شرماموں نے کیسے آرب کی بات مانی۔ یہ صرف آرب ہی اسے بتا سکتا تھا اور یہاں آرب نہیں صرف انوشہ تھی جو جانے کیا کیا کہہ رہی تھی باقی سب لوگ باہر چلے گئے تھے۔

”وہاں سب ماموں سے سخت ناراض ہیں لیکن انہیں آپ کے ساتھ ان کی منگنی کا علم نہیں ہے۔ ابی جان کہتے ہیں کہ اگر ماموں نے ان کے گھر میں قدم رکھا تو وہ انہیں شوٹ کر دیں گے اور ماما وہ کبھی کبھار بات کر لیتی ہیں ماموں سے فون پر لیکن دل میں خفا ہیں۔ انہیں شک

ہے کہ شاید آپ کو انہوں نے بھگایا ہے آپ خود اتنی باہمت نہیں تھیں اور پتا ہے میں نے تو ابھی سے سوچ لیا ہے کہ میں ضرور آپ کی شادی میں آؤں گی کوئی اچھا سا بہانہ سوچ لوں گی۔“

وہ اپنے دل کی دھڑکنیں چھپائے انوشہ کی باتیں سنتی رہی۔ یوں جیسے وہ خواب دیکھ رہی تھی اور اسی خواب کے عالم میں ہی نکاح ہو گیا۔ بابا جان نے اس کی پیشانی چوم کر اسے دعا دی تو آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ تب شرم حیات نے اسے گلے سے لگا کر دعا دی۔

”آرب کے ساتھ تم خوش رہو گی ایلا ہم نے تمہارے لیے ایک بہترین شخص کو چنا ہے۔“ اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر دیکھا۔ سب خوش تھے عفت مائی بابا جان، شرم حیات خان سب اور سب کے ساتھ کھڑے ملک آفتاب اگرچہ مسکرا رہے تھے ان کی آنکھوں میں چھپے کرب کو ایلا نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا لیکن یہ مقدر میں لکھا تھا اور نہ اس نے کب ان کے گھر سے کہیں اور جانے کی خواہش کی تھی۔

پھر وہ سب ایک ایک کر کے کمرے سے باہر نکل گئے اور وہ کمرے میں تنہا رہ گئی۔ باہر اس کی شادی کی تاریخ طے ہو رہی تھی۔ اس سے اس کے دل میں بڑی شدت سے آرب کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسا ممکن نہیں بابا جان کی اپنی روایات تھیں اور اپنی قدریں..... جب انوشہ نے عفت مائی سے پوچھا کہ کیا ایلا تیار نہیں ہوگی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہمارے ہاں اس طرح کا رواج نہیں ہے بس رخصتی پر ہی تیار ہوگی۔

”اوہ بے چارے ماموں وہ تو خوش ہو رہے تھے کہ آج آپ کے ساتھ زبردست تصاویر بنوائیں گے لیکن خیر پھر سہی۔“

دو ماہ بعد رخصتی کی تاریخ رکھی گئی تھی۔ بڑے بھیا جانے سے پہلے ایک بار پھر اس کے پاس آئے تھے۔ شرمندہ شرمندہ سے۔

”ہم انسان بڑے کمزور ہوتے ہیں ہمیں پھسلنے



میں ایک لمحہ بھی نہیں لگتا۔ میں تم سے ہمیشہ شرمندہ رہوں گا۔“ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی تب بڑے بھیا اس دعا میں دے کر چلے گئے۔

☆☆☆

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ نکاح کے بعد بھی کئی دن تک اسے یقین نہیں آیا کہ اس کا نکاح آرب کے ساتھ ہو گیا ہے۔ عفت مامی اس کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھیں اور ساتھ ساتھ اسے بھی کھینتی پھر رہی تھیں۔ پورے ہفتے بعد وہ کمپیوٹر سینٹر آئی تھی۔ وہ بھی عفت مامی نے صرف ایک دن کے لیے اجازت دی تھی کہ وہ سب کو بتا آئے اور جب وہ سب کو سینٹر چھوڑنے کا بتا کر باہر آئی تو آرب اسٹاپ کے پاس ہی اس کا منتظر تھا۔

”آپ یہاں.....؟“

”جلدی سے گاڑی میں بیٹھو۔“ وہ قریب ہی پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

”لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آج.....؟“

”عفت مامی زندہ باد۔“ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”میں دیکھنا چاہتا تھا بیوی بن کر کیسی لگتی ہو۔“ ایلیا کے رخساروں پر شفقت اتر آئی پلکوں کی تتلیاں لرزنے لگیں۔ آرب نے دلچسپی اور شوق سے اسے دیکھا۔

”تم نے تو صاف انکار کر دیا تھا لیکن میرا جذبہ سچا تھا، رنگ لایا۔“

”لیکن بابا جان، ثمر ماموں انہوں نے کیسے؟“ وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

”میں اکثر بابا جان سے ملنے چلا جاتا تھا جب تم سینٹر میں ہوتی تھیں اور ہولے ہولے ان کا دل نرم کرتا رہا۔ ایک روز میں نے ان سے کہا آپ جہاں بھی ایلا کی شادی کریں گے وہ لوگ کتنے بھی اعلیٰ ظرف ہوئے وہ ہمیشہ اس شک میں رہیں گے کہ اس کی پہلی شادی کیوں ٹوٹی اور کبھی نہ کبھی وہ اس کا اظہار بھی کر دیں گے جب کہ میں اصل حقیقت جانتا ہوں۔“ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ ”میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ

میں تمہیں خوش رکھوں گا سب سے کہیں زیادہ۔ میں حیات خان سے بھی ملتا تھا شروع میں وہ بیزار ہو گئے تھے ناگواری ان کے چہرے سے جھلکتی تھی لیکن تین چار ماہ لگ گئے سب کو موم کرنے میں۔“

”یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

”کیوں کسی جگہ کچھ دیر کو بیٹھیں گے اور گھبراؤ عفت مامی کی اجازت سے لے جا رہا ہوں تمہیں اس میں تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بہت سارا دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنی خوش قسمتی پر یقین کرنا چاہتا ہوں لیکن وہاں گھر میں تمہارے بابا جان سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں غصے میں آ کر رخصتی سے ہی مکر جائیں۔“

”خدا نہ کرے.....!“ بے اختیار ایلیا کے لبوں سے نکلا۔

”اچھا.....!“ آرب نے اچھا کو لمبا کیا۔ ”آپ ہمارے بغیر بھی خوش تھیں اور اس ڈنگر ڈاکٹر سے شادی کرنے جا رہی تھیں جو پہلے ایک ہی نہیں دو بیویوں کا طلاق دے چکا تھا۔“ ایلیا نے سر جھکا لیا۔ آرب مسکرا کر اسے دیکھا۔

”لیکن یہ کیسے ممکن تھا تمہیں تو میری زندگی میں تھا خوش ہونا۔“ آرب نے ذرا سارخ موڑ کر اسے دیکھا تو اس کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”ابھی قصہ ادھورا ہے

ابھی پوری کہانی ہے

ابھی سارا بڑھاپا ہے

ابھی آدھی جوانی ہے

ابھی اس پار جانا ہے

ڈرائیو کرتے ہوئے آرب گنگناتا رہا تھا۔

”ابھی اک خواب باقی ہے

ابھی جھیلوں میں پانی ہے

اور ایلیا زندگی کے اس اچانک رخ پر آمنا

اتنی ہی حیران ہو رہی تھی جتنی اپنے نکاح والے روز